Title - RISALATUL TAUHEED.
Author - Maulvi Rasheed Ahmad Ansari.
Publisher - Matba Ahmadi (Aligarh).
Date - 1909.
Pages - 48.
Subjects -

رسالۃ التوحید

جو

مصر کے ایک زبردست فاضل کی جدید تصنیف ہے اسکی بعض نہایت اہم اور
پاکیزہ فصلوں کا

اردو ترجمہ

جسکو

حسب ایماء نواب محسن الملک بہادر مرحوم مولوی رشید احمد صاحب انصاری آنرزان پرشین
لینگوج لٹریچر آنرزان عربک لینگوج لٹریچر اینڈ لائف مسلمانوں کے فائدہ کی غرض سے ترجمہ کیا اور
کمیٹی دینیات کی فرمایش سے

اور اپنے اہتمام سے

مطبع احمدی علی گڑھ میں طبع کرایا

پبلشر احمدی پریس علی گڑھ سنہ ۱۹۰۹ء

رسالۃ التوحید

جو

مصر کے ایک زبردست فاضل کی جدید تصنیف ہے اُسکی بعض
نہایت اہم اور پاکیزہ فصلوں کا

اردو ترجمہ

جسکو

حسب ایمائے نواب محسن الملک بہادر مولوی رشید احمد صاحب انصاری
آنرزان پرشین لینگوج لٹریچر، آنرزان عربک لینگوج لٹریچر اینڈ لاء نے مسلمانوں
کے فائدہ کی غرض سے ترجمہ کیا اور کمیٹی دینیات کی فرمایش سے

مطبع انسٹیٹیوٹ علی گڈھ میں طبع ہوا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

امکان وحی

لفظ وحی سے جو معنی مراد لئے جاتے ہیں اور جس مفہوم پر اُسکا اطلاق ہوتا ہے اول ہم اُسکی تشریح کرتے ہیں اسکے بعد ہم اس امر کی نسبت گفتگو کرینگے کہ آیا وحی ممکن ہے یا نہیں۔ لفظ وحی کے معنی مخفی طور پر کلام کرنیکے ہیں، جسکا اور اشخاص سے پوشیدہ رکھنا منظور ہو اور حاصل مصدر کے طور پر اس لفظ کا اطلاق اُس خط وکتابت پر بھی ہوتا ہے جو کسی دوسرے شخص کے آگاہ اور واقف کرنیکے لئے بھیجی جاوے۔ مگر اکثر اسکا اطلاق اُس پیغام پر ہوتا ہے جو خدا کی طرف سے کسی پیغمبر پر نازل ہو۔ اور شرعی اصطلاح میں وحی خدا کا وہ کلام ہے جو خدا کی طرف سے اُسکے کسی نبی پر نازل ہو، مگر ہمارے نزدیک وحی کی تعریف یہ ہے کہ وہ ایک ایسا انکشاف ہی جسکو انسان اپنے نفس میں پاتا ہے اور یقین کرتا ہے کہ وہ (بالواسطہ یا بلا واسطہ) خدا کی طرف سے ہے۔ پہلی صورت کا

انکشاف (یعنی بالواسطہ) یا تو آواز کی شکل میں متمثل ہو کر اُسکے کانوں تک محسوس ہوتا ہے یا بغیر آواز کے کسی اور ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے۔ وحی اور الہام میں یہ فرق ہے کہ الہام ایک وجدان ہے جسکا نفس کو یقین ہوتا ہے، اور اسکو مطلوب کی طرف میلان ہوتا ہے مگر نفس کو یہ شعور نہیں ہوتا ہے کہ یہ وجدان کہاں سے حاصل ہوتا ہے۔ غرضکہ یہ وجدان بھوک۔ پیاس۔ غم اور خوشی کے وجدان سے زیادہ تر مشابہ ہوتا ہے۔ رہی یہ بات کہ اس قسم کا انکشاف جسکو ہمنے وحی سے تعبیر کیا ہے حاصل ہونا ممکن ہے۔ اور نوع انسان کی وہ مصلحتیں اور ضرورتیں جو عام لوگونکی نظروں سے پوشیدہ ہیں خدا کے کسی خاص بندہ پر منکشف ہو سکتی ہیں، اسکا سمجھنا اور یقین کرنا صرف ایسے شخص پر دشوار ہو سکتا ہے جو سمجھنے کا ارادہ نہیں کرتا اور اپنے آپ کو صرف اسلئے سمجھدار خیال کرتا ہے کہ وہ ایسی باتونکو نہیں سمجھتا۔ ہاں ہر زمانہ میں اور ہر ایک قوم میں ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو اپنی کم عقلی اور کم علمی کے باعث یقین کی حدود سے بہت دور جا پڑتے ہیں اور جو چیزیں اُنکے ظاہری حواس کے ادراک سے باہر ہوتی ہیں اُنکے وجود میں شک کرنے لگتی ہیں، بلکہ بعض اوقات محسوسات کے وجود میں بھی اُنکو شبہہ ہو جاتا ہے اور وہ اپنی اس لغزش سے بلحاظ ادراک ادنی حیوانات کے مرتبہ سے بھی نیچے گر جاتی ہیں۔ ایسے لوگ عقل اور اُسکی مخفی قوتونکو بالکل غارت اور بیکار کر دیتے ہیں، اور اوامر اور نواہی کی قیود سے آزاد اور مطلق العنان ہو کر ایک قسم کی لذت حاصل کرتے ہیں، اور شرم و حیا کو جو نیک کاموں کی تحریک کرنیوالی اور نالایق باتوں سے روکنے والی ہے خیر باد کہدیتے ہیں، اور بالکل حیوان بنجاتے ہیں، اور جب نبوت اور مذاہب کی نسبت اُنکے روبرو گفتگو کیجاتی ہے اور اُنکی عقل اور روحانی قوتیں اسکے سننے کی طرف مائل ہوتی ہیں تو وہ اُنکو دباتے ہیں اور اس خوف سے کانوں میں انگلیاں کر لیتے ہیں کہ شاید مذہب کی تائید کرنیوالی کوئی دلیل اُنکے ذہن میں راسخ ہو جائے اور اُنکو کسی شریعت کی پیروی کرنی پڑے جس سے

وہ اپنی مطلق العنانی اور بے قیدی کی لذت سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو جائیں۔ یہ ایک ایسا مرض ہے جو بعض انسانی نفوس کو لاحق ہو جاتا ہے، اور صرف علم کے ذریعے سے اس مرض سے شفا حاصل ہو سکتی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ وحی میں کونسی بات ناممکن ہے؟ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کو بغیر کسی قسم کے غور و فکر کرنے اور مقدمات کی ترتیب دینے کی ایک بات منکشف ہو جائے جو دوسرے کو نہو، اور اسکو اسباب کا بھی علم ہو کہ یہ انکشاف خدا کی طرف سے ہے جو نظری اور فکری قوتوں کا عطا کرنیوالا ہے۔

یہ ایک بدیہی بات ہے کہ انسانی عقول کے درجات متفاوت اور مختلف اور ایک دوسرے سے بالاتر ہیں۔ ان میں سے ادنی درجہ کی عقول کو وہ ادراک صرف اجمالی طور پر ہو سکتا ہے جو اعلی درجہ کی عقول کو بسط اور تفصیل کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ انسانی عقول کا یہ تفاوت مدارج تعلیم کے تفاوت سے پیدا نہیں ہوا، بلکہ وہ فطری ہے جس میں انسان کی کوشش اور اسکے کسب کو کچھ دخل نہیں۔ اور اس میں بھی کچھ شبہ نہیں کہ بعض مسائل جو بعض عقلا کے نزدیک نظری ہیں انسے اعلی درجہ کی عقول کے نزدیک بدیہی ہیں اور یہ مراتب درجہ بدرجہ ترقی کرتے جاتے ہیں جن کی کوئی انتہا مقرر نہیں ہو سکتی۔ اور یہ بھی مسلم ہے کہ بعض اشخاص جن کی فطری طور پر ہمتیں بلند اور نفوس عالی ہوتے ہیں انکو بعید الحصول باتیں قریب الحصول نظر آتی ہیں، اور کوشش کر کے ان کو حاصل کر لیتے ہیں۔ عوام الناس ابتداءً انکا انکار کرتے ہیں، مگر آخر میں تعجب کرنے لگتے ہیں اور انکے ساتھ مانوس ہو جاتے ہیں، اور انکو ایسی عمدہ اور بدیہی باتیں سمجھنے لگتے ہیں جنکا انکار نہیں ہو سکتا، اور جب کوئی انکا انکار کرتا ہے تو اس سے اسی طرح لڑتے جھگڑتے ہیں جس طرح ابتدا میں انکی طرف دعوت کرنیوالے سے جھگڑتے تھے۔ اس قسم کے لوگ باوجود قلت کے آجتک ہر ایک قوم میں موجود ہیں۔

پس اگر یہ مقدمات جو ہمنے اوپر بیان کئے ہیں تسلیم کرلئے جاویں (اور سوا تسلیم کے کوئی چارہ نہیں) تو اُس نتیجہ کو تسلیم نہ کرنا جو ان مقدمات سے پیدا ہوتا ہے نہایت ناانصافی اور کم عقلی کی بات ہے۔ اور وہ نتیجہ یہ ہے کہ بعض انسانی نفوس ایسے ہو سکتے ہیں جو محض فطری طور پر لطیف اور پاکیزہ ہوں اور محض فیضان الٰہی سے اس امر کی استعداد اور قابلیت رکھتے ہوں کہ وہ انسانیت کے اعلیٰ درجہ پر پہونچ جائیں، اور ایسے رموز اور اسرار کو جنکو عام لوگ دلائل اور براہین کے ذریعہ سے بھی نہیں سمجھ سکتے، عیانی طور پر مشاہدہ کرلیں۔ اور جسطرح ہم اپنے اُستادوں سے علم حاصل کرتے ہیں اُس سے زیادہ وضاحت کیساتھ وہ خدا سے علم و حکمت سیکھتے ہوں اور سیکھنے کے بعد لوگونکو اس کی طرف دعوت کرتے ہوں۔ ہر ایک قوم اور ہر ایک زمانہ کی ضرورتوں کے موافق عادت اللہ اسی طرح جاری رہی ہے کہ وہ اپنی رحمت سے ایسے شخص کو ظاہر کرتا ہے جو اُسکی عنایت اور مہربانی کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے اور اجتماع انسانی کی ضرورتوں اور مصلحتونکو پورا کرتا ہے اور جب نوع انسان قوت اور استحکام کے درجہ کو پہونچ جاتی ہے اور جو چراغ اُسکی ہدایت کے لئے رکھے گئے ہیں وہ کافی ہوتے ہیں تو رسالت ختم ہو جاتی ہے، اور نبوت کا دروازہ بند ہو جاتا ہے جیسا کہ ہم آگے بیان کرینگے۔

بعض آسمانی روحوں کا موجود ہونا اور اُنکا اس مرتبہ کے لوگوں پر ظاہر ہونا بھی ایسی بات نہیں جس میں کسی قسم کا استحالہ ہو۔ کیونکہ ہم بطور خود اپنے دلوں میں سمجھتے ہیں اور یقین کرتے ہیں اور قدیم و جدید علوم نے بھی ہمکو جتلا دیا ہے کہ بعض موجودات ایسی بھی ہیں جو زیادہ لطیف ہیں اگرچہ وہ ہماری نظر سے غائب ہیں اور ہم اُنکو دیکھ نہیں سکتے۔ پس ممکن ہے کہ بعض اس قسم کے لطیف وجود علم الٰہی کو روشن کرنیوالے ہوں اور انبیاء علیہم السلام کے نفوس اُنکو دیکھ سکتے ہوں۔ اگر اس امر کی ہمکو کوئی سچی خبر ملجاوے تو اُسکی صحت کے یقین کرنے میں کون چیز مانع ہو سکتی ہے۔

جن لوگونکو خدا نے اس مرتبہ کے ساتھہ مخصوص کیا ہے اُنکے ظاہری حواس میں ان روحونکی آوازوں اور شکلوں کا متمثل ہونا کچھہ بعید اور غیر معمولی بات نہیں - اسلئے کہ نبوت کے منکر بھی اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ بعض خاص امراض کے مریضوں پر ایسی کیفیت طاری ہو جاتی ہے کہ اُنکے بعض معقولات اُنکے خیال میں متمثل ہوکر محسوسات کے درجہ کو پہونچ جاتے ہیں، اور مریض اُنکو اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے اور کانوں سے سنتا ہے بلکہ اُنکے ساتھ کشتی لڑتا اور مقابلہ کرتا ہے - حالانکہ واقعی طور پر ان تمام باتوں کی اصلیت اور حقیقت کچھہ بھی نہیں ہوتی - پس اگر یہ تسلیم کر لیا جاوے کہ بعض دماغی امراض کے عارض ہونیکے وقت بعض معقولات متمثل ہوکر محسوسات کے درجہ پر پہونچ جاتے ہیں، تو کیا وجہ ہے کہ اس امر کو تسلیم نہ کیا جاوے کہ بعض حقایق معقولہ نفوس عالی میں متمثل ہو سکتے ہیں اور اور یہ اُسوقت ہوتا ہے جبکہ وہ عالم حس سے گذر کر عالم قدس کے ساتھہ متصل ہو جاتے ہیں اور یہ حالت اس درجہ کے لوگوں میں عقل کی صحت اور اُسکی روشنی کا نتیجہ ہوتی ہے کیونکہ اُنکے مزاج میں ایسی خصوصیتیں ہوتی ہیں جو دوسرے مزاجوں میں نہیں ہوتیں - اسکے تسلیم کر لینے سے زیادہ سے زیادہ جو بات لازم آتی ہے وہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی ارواح کو اُنکے اجسام کے ساتھہ ایک خاص قسم کا تعلق ہے جس کی نظیر عام لوگوں میں موجود نہیں - یہ بات بھی ایسی ہے جسکا قبول کر لینا بہت آسان بلکہ نہایت ضروری ہے - کیونکہ انبیاء علیہم السلام کی حالت بھی عام لوگوں کے حالات سے بالکل علیحدہ اور غیر معمولی ہوتی ہے، اور یہی مغائرت ہے جس سے اُنکو امتیاز اور خصوصیت حاصل ہوتی ہے، اور یہی اُنکی رسالت کی دلیل ہوتی ہے - جو کچھہ وہ مشاہدہ کرتے ہیں اور بیان کرتے ہیں اُسکی صحت کی دلیل یہ ہے کہ اُنکی دوا سے قلبی امراض کو شفا ہوتی ہے اور جو قومیں اُنکے مسلک کی پیروی اور اُنکے احکام کی تعمیل کرتی ہیں اُنکی ہمتیں بلند اور عقلیں روشن ہو جاتی ہیں - بیماریوں سے صحیح باتوں کا صادر ہونا اور مجنونوں اور پاگلوں سے نظام عالم کا درست ہونا ایسی بات ہے جسکو کوئی شخص بھی تسلیم نہیں کر سکتا -

قرآن مجید

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طفولیت اور اُنکے اُمی ہونیکا حال جو ہم بیان کرچکے ہیں ہمکو ایسے متواتر طریقے سے معلوم ہوا کہ جس میں ذرا بھی شک کرنیکی مجال نہیں۔ دنیا کی وہ تمام قومیں جو تاریخ اسلام سے آگاہ ہیں اس خبر کو بطور تواتر کے بیان کرتی ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک کتاب تھی جس کی نسبت وہ دعوے کرتے تھے کہ یہ مجھپر خدا کی طرف سے نازل ہوئی ہے اور وہ کتاب قرآن مجید ہے جو مصحف کی شکل میں لکھا گیا ہے اور جو مسلمان حافظوں کے سینوں میں آجتک محفوظ ہے۔

اس کتاب میں گذشتہ قوموں کے ایسے حالات اور واقعات بیان کئے ہیں جو موجودہ اور آیندہ نسلوں کے لئے عبرت انگیز ہیں۔ اس میں صحیح صحیح واقعات کو بیان کردیا ہے۔ اور جھوٹے قصوں اور بیہودہ افسانوں کو جو اوہام نے اُنکے ساتھ شامل کرلئے تھے چھوڑ دیا ہے اور اُنسے عبرت حاصل کرنے کے لئے متنبہ کیا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے تاریخی حالات اور اُن معاملات کو جو اُنکو اپنی قوموں کے ساتھ پیش آئے ذکر کیا ہے۔ اور اُن تمام جھوٹے اتہاموں کی تردید کی ہے جو اُنکی رسالت اور نبوت کے ماننے والوں اور اُنکے مذہب کے پیروؤں نے اُنکے ذمہ لگا رکھے تھے۔ مختلف مذہبوں اور ملتوں کے علما سے جنہوں نے اپنے مذہبی عقائد اور احکام کو نئی نئی بدعتوں کے ساتھ خلط ملط کرکے فاسد کردیا تھا اور آسمانی کتابوں میں تاویل کرکے تغیر و تبدل کردیا تھا، مواخذہ اور بازپرس کی اور ایسے آئین اور قوانین بنائے جو تمام انسانی افراد کی مصلحتوں پر پورے طور پر منطبق ہیں جب تک اُن قوانین اور احکام کی پابندی کی گئی اور اُنپر عمل رکھا گیا تو بہترین نتائج ظاہر ہوئے اور عدل و انصاف کی بنیاد اُنکے ذریعہ سے مستحکم طور پر قایم ہوئی اور جو لوگ اُسکی مقررہ حدود پر قایم رہے اُنکی قسمت

کا ستارہ برتری اور عروج کے آسمان پر چمکتا رہا اور جب ان قوانین کی پابندی چھوڑ دی اور اُسکے منحرف ہو گئے تو سخت نقصان پہونچا۔ غرضکہ اس لحاظ سے وہ اُن تمام قوانین سے بہتر ہیں جنکو قوموں نے سالہا سال کے تجربہ کے بعد وضع کیا ہے۔

قرآن مجید ایسے زمانہ میں نازل ہوا جس کی نسبت تمام راویوں کا اتفاق ہے اور متواتر خبروں سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ عرب کی تاریخ میں فصاحت اور بلاغت کے لحاظ سے بہت ہی اعلی درجہ کا زمانہ تھا۔ اُسوقت جزیرۂ عرب میں فصیحوں، بلیغوں، شاعروں اور خطیبوں کی ایک جماعت کثیر موجود تھی جو پہلے کبھی نہیں ہوئی۔ ان میں سے ہر شخص اسبات پر مرتا تھا اور اپنی تمام عقلی اور ذہنی قوتونکو صرف کرتا تھا کہ اُسکا قول بالا رہے اور اُسکا خطبہ یا قصیدہ سب سے بڑا چڑہا اور مقبول خاص و عام ہو۔ غرضکہ اُسوقت یہی ایک چیز تھی جو اُنکے لئے مایہ الافتخار اور مایۂ ناز تھی۔

اسی طرح ہمکو متواتر طریقے سے یہی معلوم ہوا ہے کہ اُنکو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معارضہ کرنے اور آپ کے دعووں کے باطل کرنے کے لئے ہر قسم کے وسائل بہم پہونچانے کی نہایت حرص اور تمنا تھی۔ ان میں جو لوگ بادشاہ اور حاکم تھے اُنکو اُن کی سلطنت اور حکومت کے غرور نے آپکی عداوت پر آمادہ کیا تھا۔ جو لوگ خطیب یا شاعر یا انشا پرداز تھے وہ اپنی فصاحت و بلاغت اور جادو بیانی کے نشہ میں اسقدر متوالے ہو رہے تھے کہ نہایت تکبر کے ساتھ آپ کی متابعت اور پیروی سے ناک چڑہاتے تھے ان تمام لوگوں نے جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کو اپنی توہین اور کسر شان سمجھتے تھے، اپنے آبائی مذہب کی حمیت کے جوش میں آکر اپنی پوری قوت کے ساتھ آپ کا مقابلہ کیا۔ مگر باوجود اسکے آپ ہمیشہ اُنکی رائے کی غلطی اور اُنکی عقل کی سفاہت ظاہر کرتے اور اُنکے بتوں کی توہین اور تحقیر کرتے تھے اور اُنکو ایسی باتوں کی طرف دعوت کرتے تھے جنسے اُنکے کان بالکل نا آشنا تھے اور ان تمام امور میں آپ کی صرف یہ دلیل تھی

کہ قرآن مجید کی ایک چھوٹی سی چھوٹی سورت کی برابر کوئی کلام بنا لاؤ جو فصاحت و بلاغت اور پاکیزگی مضامین کے لحاظ سے اسکے ساتھ مناسبت و مشابہت رکھتا ہو۔ اُن میں اسقدر استطاعت نہ تھی کہ وہ عرب کے فاضلوں، فصیحوں اور بلیغوں کو جمع کرتے اور آپ کی اس حجت کے باطل کرنے اور آپ کو ساکت کرنیکی غرض سے قرآن مجید کی مثل کوئی کلام تالیف کرتے۔

ہمکو متواتر طریقہ سے معلوم ہوا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ دعویٰ اور تحدی اور طلب معارضہ عرصہ دراز تک جاری رہا اور عرب کے لوگ بھی اپنی گمراہی اور خودسری پر برابر اڑے رہے مگر تاہم وہ اس باب میں بالکل عاجز اور ناکام رہے اور قرآن مجید کا بول بالا رہا۔ بیشک ایک اُمی شخص کی زبان سے ایسی بےمثل کتاب کا ظاہر ہونا اعلیٰ درجہ کا معجزہ ہے اور سب بات کی یقینی دلیل ہے کہ قرآن مجید آدمی کا بنایا ہوا کلام نہیں ہے بلکہ وہ ایک نور ہے جو علم الٰہی کے آفتاب سے دنیا کے روشن کرنے کے لئے چمکا ہے۔ اور حکم خداوندی ہے جو نبی اُمی صلوات اللہ علیہ کی زبان مبارک پر ظاہر ہوا ہے۔

علاوہ ازیں قرآن مجید میں بہت سی غیب کی خبریں دی گئی ہیں جن کی تصدیق دنیا کی حادثات اور واقعات سے بخوبی ہو چکی ہے۔ مثلاً اس آیت میں خبر دی گئی ہے کہ "قریب

ر غلبت الروم فی ادنی الارض	کے ملک یعنی فارس میں رومی جو نصاریٰ ہیں
وھم من بعد غلبھم سیغلبون	اہل فارس سے جو آتش پرست ہیں مغلوب ہوگئے
فی بضع سنین ‘‘	ہیں لیکن یہ لوگ اپنے مغلوب ہوئے پیچھے چند

سال میں پھر اہل فارس پر غالب آ جائینگے‘‘ (اس آیت میں خدا نے بتا دیا ہے کہ گو رومی اسوقت مغلوب ہو گئے ہیں مگر وہ چند سال بعد پھر اہل فارس پر فتح پائینگے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور یہ واقعہ تاریخی پیشینگوئی کا بڑا زبردست معجزہ ہے۔ دو زبردست سلطنتوں کی بارے میں برسوں پہلے وثوق کے ساتھ ایک قطعی فیصلہ کر دینا کسی بشر کا کام نہیں) اسیطرح

ایک دوسری آیت میں صراحت کے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے " یعنی تم میں سے جو لوگ ایمان

" وعد الله الذین آمنوا | لائے اور نیک عمل بھی کرتے ہیں اُنسے خدا کا وعدہ
منکم وعملوا الصلحات | ہے کہ ایک نہ ایک دن اُنکو ملک کی خلافت
لیستخلفنهم فی الارض | یعنی سلطنت ضرور عنایت کریگا جیسے اُن لوگونکو
کما استخلف | خلافت عنایت کی تھی جو اُنسے پہلے ہو گذرے
الذین من قبلهم ولیمکنن | ہیں اور جس دین کو اسنے اُنکے لئے پسند کیا ہے
لهم دینهم الذی | اُسکو اُنکے لئے جما کر رہیگا اور خوف جو اُنکو لاحق ہے
ارتضیٰ لهم ولیبدلنهم | ہے اسکے بعد عنقریب انکو اسکے بدلے میں امن
من بعد خوفهم امنا۔ | دیگا "

قرآن مجید میں اور بہت سی اسی قسم کی آیات موجود ہیں جو غور کرنے سے معلوم ہو سکتی ہیں۔ یہ بھی اخبار عن الغیب کی قسم سے ہے جسکا قرآن مجید میں دعویٰ کیا گیا ہے " قل لئن اجتمعت الانس و الجن علیٰ ان یاتوا بمثل هذ القرآن لایاتون بمثله ولو کان بعضهم لبعض ظهیرا۔ فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودها الناس والحجارة " عرب کے مختلف اطراف سے مکہ میں آنے جانے والونکی زبانی عرب کے تمام ممالک اور اُسکے بیشمار باشندوں میں آپ کی دعوت مشتہر ہو گئی تھی اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ عرب کی اطراف میں سیر و سیاحت کا اتفاق ہوا تھا اور نہ آپکو وہاں کے عام شاعروں اور خطیبونکی قابلیت کے جانچنے کا موقع ملا تھا۔ علاوہ ازیں ایک کثیر التعداد قوم کے جو ایک وسیع ملک میں رہتی ہو ذہنی اور دماغی قابلیتوں کا ایسی صحت کے ساتھ اندازہ کر لینے سے انسانی علم قاصر ہے۔ ایسی حالت میں قطعی فیصلہ کر لینا اور قطعی حکم لگا دینا کہ وہ ہرگز قرآن کی مثل کوئی سورت نہیں بنا سکتے انسان کا کام نہیں ہے، اور ناممکن ہے کہ ایسا دعویٰ کسی ذی عقل سے

سرزد ہو بلکہ جس کسی کو ذرا بھی عقل ہوتی ہے اُسکو یہی خیال ہوتا ہے کہ دنیا خالی نہیں اور ایک سے ایک لائق اور باکمال موجود ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ دعوی کسی انسان کا دعوی نہیں بلکہ یہ خدا کا دعوی ہے جسکو علم ہے کہ تمام انسانی قوتیں اسکے مقابلہ میں بالکل عاجز اور بیکار ہیں۔

ایک معترض کہہ سکتا ہے کہ جواب سے عاجز ہو جانا صرف اُس شخص پر حجت ہے جو عاجز ہو جاوے۔ کیونکہ بعض اوقات خصم اپنے مسلمات کی وجہ سے عاجز ہو جاتا ہے اور جواب نہیں دلیسکتا۔ ممکن ہے کہ دوسرا شخص اُنکو نہ تسلیم کرتا ہو اسلیئے یہ دلیل اسکو ساکت نہیں کرسکتی۔

یہ شبہہ ہمارے گذشتہ بیان پر غور کرنے سے رفع ہو جاتا ہے کیونکہ قرآن مجید کے اعجاز اور دلیل کے ساکت کرنے میں صرف یہی مشابہت ہے کہ دونوں کا نتیجہ عجز ہوتا ہے مگر ان دونوں قسم کے عجز میں بہت بڑا فرق ہے۔ اسلئے کہ اعجاز القرآن کی بنیاد ایک واقعی امر پر ہے اور وہ یہ ہے کہ تمام انسانی قوتیں اُسکے مرتبۂ بلاغت سے عاجز ہیں تمام انسانی قوتوں کو ہمنے اس وجہ سے قاصر لکھا ہے کہ قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا جو فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے عرب کی تاریخ میں نہایت ہی اعلی درجہ کا زمانہ تسلیم کیا جاتا ہے، اور عرب کے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی دعوت سے بے انتہا دشمنی اور عناد رکھتے تھے، جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے، مگر تاہم وہ قرآن مجید کا معارضہ نہ کرسکے ایسی حالت میں خیال نہیں کیا جاسکتا کہ کوئی ایرانی یا ہندوستانی عربی زبان کو ایسی اعلی درجہ کی فصاحت و بلاغت کے ساتھ لکھہ سکے یا بول سکے، اور ایسا کلام تالیف کرسکے جس سے خود عرب کے تمام فصیح و بلیغ قاصر رہے۔ حالانکہ اُنکو نشو و نما اور ابتدائی تربیت میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھہ مشابہت اور مناسبت تھی، بلکہ اُن میں سے اکثر اشخاص درس و تعلیم کی وجہ سے امتیاز اور خصوصیت رکھتے تھے۔ یہ اس

بات کی قطعی اور یقینی دلیل ہے کہ ایسے کلام کا کسی بشر سے صادر ہونا عادتاً ناممکن ہے۔

پس اس عظیم الشان معجزے اور اس کتاب مقدس سے جس میں کبھی تغیر تبدل نہیں ہو سکتا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت ثابت ہو گئی لہذا آپ کی رسالت کی تصدیق کرنا اور جو کچھ قرآن مجید میں وارد ہوا ہے اسکا اعتقاد رکھنا اور آپ کی ہدایتوں اور سنتوں پر عمل کرنا ہمپر واجب ہے۔ قرآن مجید میں آیا ہے کہ آپ خاتم الانبیاء ہیں، لہذا اسپر بھی ایمان لانا ہمارا فرض ہے۔

اسلام

مذہب اسلام وہ مذہب ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اور صحابہ کرام اور اُنکے معاصرین کو آپنے اُسکی تعلیم و تلقین فرمائی۔ اور ایک زمانہ تک بغیر کسی قسم کے اختلاف اور تاویل اور طبعی میلان کے اُسپر عمل کرتے رہے ہیں۔ میں اس مذہب کو قرآن مجید کی اقتدا کر کے اس باب میں مجمل طور پر بیان کرونگا اور اُس میں سوا اسے قرآن مجید اور صحیح حدیثوں کے کوئی چیز میرے لئے سند نہیں ہے۔

مذہب اسلام خدا کی ذات اور اُسکے افعال میں توحید کی تعلیم کرتا ہے اور اُسکو مخلوق کی مشابہت سے پاک ظاہر کرتا ہے۔ اسنے اس بات پر بہت سی دلیلیں قایم کی ہیں کہ دنیا کے لئے ایک پیدا کرنیوالا ہے جو علم، قدرت، ارادہ وغیرہ، اعلیٰ درجہ کی صفات کے ساتھ متصف ہے اور مخلوقات میں سے کوئی شئے اُسکے مشابہ نہیں ہے۔ مخلوق کے ساتھ اُسکو کوئی نسبت نہیں ہے، مگر صرف یہ نسبت ہے کہ وہ اُنکا موجد اور پیدا کرنیوالا ہے، اور وہ اُسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ " اے پیغمبر یہ لوگ جو تم سے

" قل هو الله احد	خدا کا حال پوچھتے ہیں تو تم اُنسے کہو کہ اللہ ایک
الله الصمد لم یلد و لم	ہے اللہ بے نیاز ہے نہ اُس سے کوئی پیدا ہوا
یولد و لم یکن له	اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ کوئی اُس کی
کفوا احد "	برابر کا ہے " اور قرآن مجید میں جو الفاظ وجہ،

ید، استوا، وغیرہ وارد ہوئے ہیں اُنکے معنی اُن عربوں نے سمجھ لئے تھے، جو کتاب کے مخاطب تھے اور اُنکو کسی قسم کا شبہہ نہیں ہوا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ خدا کی ذات و صفات کا دنیا کی کسی روح یا جسم میں ظاہر ہونا محال ہے۔ ہاں خدا تعالیٰ اپنے بندوں میں سے

جس کسی کو چاہتا ہے علم اور حکومت عطا کرتا ہے۔

مذہب اسلام ہر ایک ذی عقل پر سب بات کو حرام کرتا ہے کہ وہ بغیر یقینی دلیل کے جسکے مقدمات حواس کے حکم پر مبنی ہوتے ہوں، یا بدیہیات سے مرکب ہوں جن میں کسی قسم کا شبہ نہ ہوسکے (جیسے کہ اجتماع نقیضین یا ارتفاع نقیضین کا محال ہونا یا کل کا اپنے جزو سے بڑا ہونا) کسی چیز کا اقرار کرے۔ اسنے دوسروں کی طرح انبیاء علیہم السلام کی نسبت بھی حکم لگادیا کہ وہ اپنے لئے نفع نقصان کے مالک نہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ وہ اسکے مکرم اور محترم بندے ہیں اور جو کچھ انکے ہاتھوں پر جاری ہوتا ہے وہ خدا کی خاص اجازت اور خاص حکمت سے ہوتا ہے۔

قرآن مجید میں وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالی نے تمکو تمہاری ماؤں کے پیٹ سے

" واللّٰہ اخرجکم من بطون	نکالا اسوقت تم کچھ نہ جانتے تھے اور تمکو کان
امھاتکم لاتعلمون شیاً وجعل	دیئے اور آنکھیں دیں اور دل دیئے تاکہ تم اسکا
لکم السمع والابصار والافئدۃ	شکر کرو۔" عرب کے نزدیک شکر کے جو مشہور
لعلکم تشکرون "	معنی ہیں وہ یہ ہیں کہ نعمت کو صرف اسی کام میں

لگانا جسکے لئے وہ نعمت عطا ہوئی ہے اس قسم کی آیات سے اس امر کی طرف رہنمائی کی گئی ہے کہ ہمکو خدا نے حواس عطا کئے ہیں اور ہم میں بہت سی قوتیں ودیعت رکھی ہیں، جنکو ہم انہیں کاموں میں خرچ کرسکتے ہیں جن کے لئے وہ عطا کی گئی ہیں پس ہر شخص خود اپنے کام کا کرنیوالا ہے اور اسکی بھلائی اور برائی کا ذمہ دار اور نفع یا نقصان اٹھانیوالا ہے۔

مگر ایک زبردست قوت ہم پاتے ہیں جو ہمارے حواس اور قوی پر حکمرانی کرتی ہے اور جو انکو امداد پہونچاتی ہے، اس قوت کی تہ کو پہنچنا ہماری عقل کا کام نہیں ہے۔ ہمارے حواس اسکی حقیقت کے سمجھنے سے حیران ہیں اور چونکہ وہ ان تمام قوتوں سے

سے بالاتر ہے جو ابتک ہمکو معلوم ہیں، اسلئے اسکے پہچاننے سے ہم عاجز ہیں۔ پس اُسی قوت کے سامنے گردن جھکانا اور اُسی کی طرف توجہ کرنا چاہئے اسلئے کہ اُن تمام قوتوں کا مرجع خدائے وحدہ لاشریک کے سوا کوئی نہیں۔ پس سوائے اُسکے اور کسی کی اطاعت نہ ہمپر لازم ہے اور نہ ہم کسی اور طرف رجوع کرنیسے تسلی پاسکتے ہیں۔ امید وبیم کے کاموں میں جنپر آیندہ زندگی کا مدار ہے ہمارے قوتوں اور حواس کی یہی حالت ہونا چاہئے۔ اُنکو ہرگز اجازت نہیں ہے کہ نیک اعمال وافعال کے مقبول ہونے، یا بدکرداریوں کے معاف ہونیکی توقع کسی اور سے رکھیں اور حقیقت میں صرف وہی ایک خدا ہے جو جزا وسزا کے دن آزادی کے ساتھ حکومت کریگا۔

غرضکہ مذہب اسلام نے تمام اخلاق اور فضائل کو زندہ کیا اور نظام عالم کے ہر قسم کے قواعد کو مرتب اور مقرر کیا۔ انسان کی رائے اور عقل کو آزادی بخشی، اُس کی ہمت کو ہر قسم کے کاموں اور کوششوں میں اولوالعزمی عطا کی۔ جو لوگ قرآن مجید کو غور اور فکر کے ساتھ تلاوت کرتے ہیں اور سمجھ بوجھ سے کام لیتے ہیں اُنکو معلوم ہے کہ وہ اس قسم کے جواہرات کا ایک خزانہ ہے جو کبھی ختم نہیں ہوسکتے۔ اب سوائے اُس کی پیروی کے دینی اور دنیوی سعادت حاصل کرنے کے لئے کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبوتیں اور رسالتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت پر ختم ہوگئیں جیساکہ قرآن شریف اور سنت صحیحہ میں صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے ختم نبوت کی ظاہری علامت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کے بہت سے مدعی کھڑے ہوئے مگر کسی کو کامیابی نصیب نہیں ہوئی اور دنیا کو اس امر سے اطمینان ہو گیا کہ اب نبوت یا رسالت کے کسی مدعی کی دعوت قبول نہیں ہوسکتی۔ ھکذا یصدق عالم الغیب "ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین وکان اللہ بکل شئ علیما"

مذہب اسلام نے اس سے ہر ایک قسم کی بت پرستی کی بیخ کنی کر دی اور ان باطل عقیدوں اور غلط خیالات سے جسقدر فاسد توہمات انسانی عقول پر چھائے ہوئے تھے اُنکو دور کیا اور انسانی نفوس کو اُن بداخلاقیوں اور بداعمالیوں سے بالکل پاک وصاف کر دیا جو ان باطل توہمات کی وجہ سے پیدا ہو گئی تھیں۔ انسان کی قدر و قیمت، عزت اور عظمت کو ترقی دی۔ کیونکہ اب وہ اپنے خالق کے سوا درختوں اور پتھروں کے آگے اپنا سر نہیں جھکاتا اور ہر شخص پر فرض کر دیا کہ اسبات کا اقرار کرے کہ دے بیٹے تو اپنا رُخ

"انی وجہت وجہی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا من المشرکین"	ایک ہی ذات پاک کی طرف کر لیا ہے جسنے آسمان و زمین کو بنایا اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں
"ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین لاشریک لہ وبذالک امرت وانا اول المسلمین"	میری نماز اور عبادت اور میرا مرنا و جینا خدا ہی کے لئے ہے جو سارے جہان کا پروردگار ہے۔ کوئی اُسکا شریک نہیں اور مجھکو ایسا ہی حکم دیا گیا ہے اور میں اُسکے فرمانبرداروں میں سے سب سے پہلا ہوں"

اس سے انسان کا نفس آزاد اور اُن تمام قیودوں سے مطلق العنان ہو گیا جنکا وہ اعتقاد رکھتا تھا، اور درختوں، پتھروں، قبروں اور ستاروں اور شفاعت کرنیوالوں اور کاہنوں کی قید سے چھوٹ گیا جنکو وہ اپنے اور خدا کے درمیان واسطہ اور نجات کا ذریعہ خیال کرتا تھا۔ غرضکہ روح کو مکاروں اور جالوں کی بندگی سے چھڑا کر تمام آدمیونکو یکساں طور پر خدا کا خالص بندہ بنا دیا۔ اس بندگی میں چھوٹے بڑے، امیر غریب، ادنی اعلی، سب برابر ہیں۔ ہاں اگر کسی کو کچھ فضیلت ہے تو محض علم اور عقل کی وجہ سے ہے عقل اور عمل کے سوا جو توہم اور ریا سے پاک وصاف ہوں فضیلت اور خدا کے تقرب کا کوئی ذریعہ نہیں۔

اسلام نے حکم دیا کہ ہر شخص جو کام کرسکتا ہو وہ کرے مگر وہ اُسکے نفع نقصان کا ذمہ دار ہے جیسا کہ قرآن مجید میں وارد ہوا ہے کہ" جسنے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی وہ اُسکو دیکھ لیگا اور جسنے ذرہ بھر

" فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ۔ — نیکی کی ہوگی وہ اُسکو دیکھ لیگا اور جسنے ذرہ بھر

ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ — برائی کی ہوگی وہ اُسکو دیکھ لیگا" اور یہ کہ انسان

لیس للانسان الا ما سعی "۔ — کو اتنا ہی ملیگا جتنی اُسنے کوشش کی "، اور

ہر شخص کو اجازت دی کہ وہ پاکیزہ اور ستھری چیزوں میں سے جو چاہے کمائے اور پہنے، اور صرف وہی چیزیں حرام کیں جو اُسکی ذات کے لئے مضر تھیں، یا اُنکا ضرر متعدی تھا۔ اور اسکے لئے حدود مقرر کیں جو تمام انسانی مصلحتوں پر پوری طرح منطبق ہیں۔ غرضکہ ہر شخص کو اپنے کام میں مستقل اور مختار کردیا جس سے اولو العزم ہمتوں کے لئے کوشش کرنیکا میدان وسیع ہوگیا۔

آبائی تقلید کے لشکر جو انسانی نفوس پر غالب ہو رہے تھے، اسلام نے اُنپر ایک سخت حملہ کرکے اُنکو شکست دی اور تقلید کے اصول جو خیالات میں راسخ ہوگئے تھے اُنکو جڑ سے اکھاڑ کر پھینکدیا اسنے عقل کو للکارا اور خواب غفلت سے جگایا اور بلند آواز سے پکارا کہ انسان اسلئے نہیں پیدا کیا گیا کہ وہ اونٹ کی طرح مہار پکڑ کر کھینچا جاوے، بلکہ اُسکی فطرت میں اس بات کی قابلیت اور استعداد رکھی گئی ہے، کہ وہ علم کے ذریعہ سے ہدایت حاصل کرے اور واقعات اور حادثات کے اسباب اور دلائل کا سراغ لگائے (معلم صرف رہنمائی کرنے والے اور بحث و جستجو کا طریقہ بتانے والے ہیں) اُسنے اہل حق کی تعریف اسطرح کی " الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ "، یعنی وہ لوگ جو باتوں کو سنتے ہیں اور اُن میں سے اچھی باتوں کی پیروی کرتے ہیں" اس آیت میں اہل حق کا یہ وصف بیان کیا گیا ہے کہ وہ کہنے والوں کو نہیں دیکھتے بلکہ اُنکے اقوال کو دیکھتے ہیں۔ اچھی باتوں کو لے لیتے ہیں غلط اور بیکار باتوں کو چھوڑ دیتے ہیں۔

آبائی خیالات اور آبائی عقائد جو اولاد میں منتقل ہوتے ہیں اسلام نے اُنکی تردید کی

اور جو لوگ پرانی لکیر کے فقیر اور اپنے آبا و اجداد کی رسوم کے پابند ہیں انکی سفاہت اور حماقت کو تصریح کے ساتھ بیان کیا اور ظاہر کیا کہ پہلے زمانہ میں ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ علم و عقل میں زیادہ تھے، یا پہلے زمانہ والوں کے ذہن اور عقلیں موجودہ زمانہ والوں کے ذہنوں اور عقلوں سے زیادہ تھیں، بلکہ تمیز اور فطرت کے لحاظ سے پچھلے اور اگلے سب برابر ہیں۔ بلکہ اکثر پچھلے لوگ گذشتہ زمانہ کے حادثات اور واقعات سے واقف ہو کر زیادہ تجربہ کار اور باخبر ہو جاتے ہیں۔ گذشتہ زمانہ کے لوگوں کو انکی نافرمانیوں اور بداعمالیوں سے جو انکو ان نتائج حاصل ہوتے ہیں اُن سے بھی موجودہ زمانہ کے لوگ فائدہ اٹھاتے اور عبرت پکڑتے ہیں۔ قل سیروا فی الارض فانظروا کیف کان عاقبۃ المکذبین۔ یعنی "اے پیغمبر ان لوگوں سے کہو کہ ملک میں چلو پھرو، پھر دیکھو کہ پیغمبروں کے جھٹلانیوالوں کا کیا انجام ہوا۔ اسلام نے آبا و اجداد کی پیروی اور تقلید کرنے پر ارباب مذاہب کی مذمت کی جنکا قول یہ تھا "انا وجدنا آباءنا علی امۃ و انا علی آثارھم مھتدون۔ بل نتبع ما وجدنا علیہ اباءنا" یعنی "ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقہ پر پایا ہے اور انہیں کے قدم بقدم ہم بھی ٹھیک رستے پر چلے جا رہے ہیں"، اس سے شہنشاہ عقل کو ہر قسم کی قید اور تقلید سے آزاد کر دیا اور اسکو پھر اپنی سلطنت کا مالک و مختار بنا دیا کہ وہ اپنی حکومت کے موافق جسطرح چاہے حکم کرے۔

ان تمام اسلامی ہدایات سے جو اوپر مذکور ہوئیں، انسان کو دو بڑے اعلیٰ درجہ کی مفید باتیں حاصل ہوئیں جو اسلام سے پیشتر حرام خیال کیجاتی تھیں ایک ارادہ کا استقلال اور دوسرے رائے کی آزادی۔ اور انہیں سے انسانیت کی تکمیل ہوئی اور انسان کو اپنے تمام فطری کمالات حاصل کرنیکی قابلیت ہوئی۔ یورپ کے بعض علماء متاخرین کا قول ہے کہ یورپ میں تمدن اور شائستگی کی بنیاد انہیں دو اصول پر قائم ہوئی ہے۔ انسانی ذہن کام کرنے اور انسانی عقول غور و فکر کرنے پر اُسوقت مستعد ہوئیں جبکہ اکثر اشخاص کو

اپنی قدر و قیمت معلوم ہوگئی اور یہ سمجھ گئے کہ حقائق اور معارف کی تلاش اور جستجو میں اپنی اپنی عقل سے کام لینے کا انکو اختیار حاصل ہے اور یہ مفید خیال انکو سولھویں صدی عیسوی میں پیدا ہوا۔ حکیم مذکور نے اسبات کا بھی اقرار کیا ہے کہ یورپ کو اسوقت یہ روشنی محض اسلامی علوم کے نور سے حاصل ہوئی تھی۔

مذہبی پیشواوں نے عام دینداروں کو آسمانی کتابوں کے سمجھنے اور انکے معانی و مطالب پر غور کرنیکی ممانعت کردی تھی۔ مذہب اسلام نے اسکو باطل کیا۔ انہوں نے عام لوگوں کو آسمانی کتابوں کی تلاوت کی اجازت دی تھی مگر اسکے ساتھ یہ بھی شرط لگی ہوئی تھی کہ صرف الفاظ کو پڑھیں اور مطالب پر غور نہ کریں۔ انکے مقاصد اور مطالب پر غور کرنیکا منصب خاص انہوں نے اپنے ہی لئے رکھا تھا مگر اسکے بعد خود بھی سمجھ بوجھ سے محروم ہو گئے۔ انہوں نے صاف طور سے اقرار کیا کہ ہماری عقلیں شریعت اور علوم انبیا کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ صرف عبادت کے طور پر الفاظ کی تلاوت کافی ہے۔ غرضکہ آسمانی کتابوں کے نازل ہونے اور انبیا کے مبعوث ہونے میں جو حکمت تھی اسکو انہوں نے غارت کر دیا۔ قرآن مجید مذہبی پیشواوں کے اس کام کی مذمت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ "ومنھم امیون لایعلمون الکتاب الا امانی وان ھم الا یظنون مثل الذین حملوا التوراۃ ثم لم یحملوھا کمثل الحمار یحمل اسفارا بئس مثل القوم الذین کذبوا بآیات اللہ واللہ لا یھدی القوم الظلمین" ان میں بعض ان پڑھ ہیں جو منہ سے لفظوں کو پڑھ لینے کے سوا کتاب الٰہی کے مطالب کو کچھ بھی نہیں سمجھتے اور وہ صرف خیالی تکے چلایا کرتے ہیں۔ جن لوگوں کے سر پر توریت لادی گئی پر اسپر کاربند نہوئے اُن کی مثال گدھے کی مثال ہے جسپر کتابیں لدی ہیں۔ جو لوگ خدا کی آیتوں کو جھٹلایا کرتے ہیں انکی بھی کیا ہی بری کہاوت ہے۔ اور اللہ بے انصاف لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔" مذہب اسلام نے فرض کیا ہے کہ ہر ایک دیندار آسمانی کتابوں اور شرعی مسائل کے سمجھنے میں حصہ لے اور

اس خاص امر میں سب دیندار اور پیرو برابر ہیں۔ معمولی ذرا لیع فہم کے سوا جو اکثر لوگونکو سہولت کے ساتھ حاصل ہو سکتے ہیں کوئی شرط نہیں لگائی اور نہ کسی طبقہ کو اس کام کے لئے مخصوص کیا۔

اسلام کی روشنی ایسے وقت میں ظاہر ہوئی جب کہ لوگوں نے مختلف مذہبی فرقے قایم کر رکھے تھے، جو باہم لڑتے جھگڑتے اور ایک دوسرے کو لعنت کرتے تھے اور اسکو اعلیٰ درجہ کی خدا پرستی اور دینداری خیال کرتے تھے۔ اسلام نے اُسکا انکار کیا اور صاف طور پر بیان کیا کہ سچا مذہب ہر زمانہ میں اور تمام نبیوں کی زبان پر ایک رہا ہے خدا فرماتا ہے کہ "دین حق تو خدا کے نزدیک یہی اسلام ہے اور اہل کتاب (یعنی یہود و نصاریٰ) نے جو دین حق سے مخالفت کی تو حق بات معلوم ہونے کے بعد کی اور آپس کی ضد سے کی۔ اور جو شخص خدا کی آیتوں سے منکر ہو تو اللہ کو اُس سے حساب لیتے کچھ دیر نہیں لگتی۔ ابراہیم نہ یہود تھا اور نہ نصرانی بلکہ ہمارا فرمانبردار بندہ تھا اور مشرکوں سے بھی نہ تھا۔ اے لوگو!! اُسنے تمہارے لئے دین کا وہی رستہ ٹھیرایا ہے جسپر چلنے کا اُسنے نوح کو حکم دیا تھا۔ اور اے پیغمبر!! تمہاری طرف بھی ہمنے اس رستہ کی وحی کی ہے اور اُسکا ہمنے ابراہیم اور موسیٰ و عیسیٰ کو بھی حکم دیا تھا کہ اس دین کو قایم رکھنا اور اُس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔ جس دین پر تم مشرکین کو بلاتے ہو وہ اُنپر بہت شاق گذرتا ہے۔ اے پیغمبر!! اُنسے کہو کہ اے اہل کتاب آؤ ایسی بات کیطرف

"ان الدین عند اللہ الاسلام وما اختلف الذین اوتوا الکتاب الا من بعد ما جاءھم العلم بغیا بینھم۔ ما کان ابراھیم یھودیا ولا نصرانیا و لاکن کان حنیفا مسلما وما کان من المشرکین"

شرع لکم من الدین ما وصیٰ بہ نوحا والذی اوحینا الیک وما وصینا بہ ابراھیم و موسیٰ وعیسیٰ ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ کبر علی المشرکین

ما تدعوهم اليه۔ قل يا اهل الكتاب تعالوا الى كلمة سواء بيننا وبينكم ان لا نعبد الا الله ولا نشرك به شيئا ولا يتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون الله فان تولوا فقولوا اشهدوا بانا مسلمون"۔

رجوع کرو جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکسان مانی جاتی ہے کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نکریں اور کسی چیز کو اُسکا شریک نہ ٹہیرائیں اور اللہ کے سوا ہم میں سے کوئی کسی کو اپنا مالک نہ سمجھے پہر اگر ایسی سیدہی سچی بات کے ماننے سے بہی منہ موڑیں تو اُنسے کہدو کہ تم گواہ رہو کہ ہم تو ایک ہی خدا کو مانتے ہیں ،،۔

اس قسم کی بہت سی آیات قرآن مجید میں وارد ہوئی ہیں جنکا اس مقام پر جمع کرنا موجب طوالت ہوگا۔ قرآن شریف نے تصریح کردی ہے کہ ہر ایک زمانہ میں مذہب حق یہی رہا ہے کہ خدا ایک ہے اور وہی قابل اطاعت و فرمانبرداری ہے۔ جو کچھہ اسنے حکم دیا ہے یا ممانعت فرمائی وہ صرف انسانی مصلحتوں اور انسان کے فائدے کے لئے ہے اور اُنکے واسطے موجب سعادت اور باعث نجات ہے۔

گذشتہ اور موجودہ مذاہب میں اگرکچہہ اختلاف ہے تو وہ عبادات کی شکلوں اور صورتوں میں ہے، اور جہاں کہیں احکام میں اختلاف ہے تو یہ خدا کی رحمت اور مہربانی ہے کہ ہر ایک قوم کو ہر ایک زمانہ میں ایسا حکم دیا ہے جس میں زمانہ کے لحاظ سے اُس قوم کی بہتری اور بہبودی ہو۔ اسی طرح انسانی افراد کی تربیت میں عادت اللہ جاری ہے۔ یعنی جب کہ انسان اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے تو وہ نہ کچھہ جانتا ہے، نہ سمجھتا ہے، نہ بول سکتا ہے، مگر بتدریج آہستہ آہستہ اُسکی عقلی اور دماغی قوتیں ترقی کرکے درجہ کمال کو پہونچتی ہیں۔ پس جسطرح افراد کی تربیت میں عادت اللہ جاری ہے اسی طرح نوع کی تربیت میں ہونا چاہئے۔ اور یہ ایسی بدیہی بات ہے جسمیں اختلاف کی بالکل گنجایش نہیں۔

گذشتہ مذاہب دنیا میں ایسے وقت میں آئے جبکہ لوگ اپنی عام مصلحتوں اور خاص

فائدوں کے سمجھنے کے لحاظ سے بالکل بچپن کی حالت میں تھے۔ وہ محسوسات کے سوا کچھ نہ جانتے تھے، وہ صرف اپنے جسم کے قائم رکھنے میں مصروف تھے اور اپنے ابنائے جنس اور اپنے خاندان کی محبت کے خیال سے بالکل بے بہرہ تھے۔ ایسی حالت میں حکمت کے خلاف تھا کہ اسلئے باریک باتوں سے یا جن کے لئے دلیل کی ضرورت ہے خطاب کیا جاتا۔ بلکہ یہ خدا کی بڑی رحمت تھی کہ ان اقوام کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کیا گیا جیسا باپ اپنے کم سن اور ناسمجھ بیٹے کے ساتھ کرتا ہے۔ کیونکہ وہ اُسکے سامنے ایسی ہی چیزیں لاتا اور بیان کرتا ہے، جنکا آنکھوں سے دیکھنا یا کانوں سے سننا ممکن ہو۔ غرضکہ اس اصول کے موافق اُنپر ایسی عبادات فرض کیں جو اُنکے حالات کے مناسب اور اُن کی استطاعت کے موافق تھیں۔ اور اُنپر ایسی آیات نازل فرمائیں جو اُنکی آنکھوں کو بھلی معلوم ہوتی اور اُنکے خیالات اور جذبات پر اثر کرتی تھیں۔

اسکے بعد قوموں نے سالہا سال کی مدت ہائے دراز میں ترقی و تنزل، عروج و زوال پستی و بلندی، اور اختلاف و اتفاق کی بیشمار منزلیں طے کیں اور مختلف حادثات اور گردو پیش کے حالات اور متواتر تجربوں سے اُنکو ایک ایسا شعور حاصل ہو گیا جو حس سے زیادہ باریک اور نازک اور وجدان سے زیادہ تعلق رکھنے والا تھا۔ مگر تاہم یہ شعور بلحاظ اپنی مجموعی حالت کے عورتوں کے تخیلات اور نوجوان لڑکوں کے جذبات سے کچھ زیادہ اونچا اور قابل وقعت نہ تھا۔ پس اسوقت دنیا پر ایسا دین نازل کیا گیا جسنے مہربانیوں اور شفقتوں کو پکارا اور خواہشات اور جذبات کو روکا اور اُنکے دلوں کے خطرات سے ہمکلام ہوا۔ اُسنے لوگوں کے واسطے اتقا اور پرہیزگاری کے ایسے قوانین بنائے جو دنیا سے بالکل نفرت دلانے والے اور عالم ملکوت کی طرف مائل کرنیوالے تھے۔ اُسنے ہدایت کی کہ کوئی حقدار اپنے حق کا مطالبہ نہ کرے، اگرچہ واجبی ہو۔ اسنے مالداروں اور دولتمندوں پر آسمان کے دروازے بند کر دیئے۔ اسکے علاوہ اور بہت سے اخلاقی مسائل کی تعلیم دی جو مشہور

معروف ہے۔ طاعات اور عبادات کے انکو ایسے طریقے بتلائے جو اُنکے موجودہ طریق سے ملتے جلتے تھے۔ اس مذہب کی دعوت نے لوگونکے دلوں پر اپنا اثر کرکے قوموں کے امراض کا علاج کیا۔ اور اُنکے اخلاق کی اصلاح کی مگر اسپر چند صدیاں بھی نہ گذری تہیں کہ انسانی ہمتیں ان سخت قوانین کی برداشت کرنے اور اُنپر عملدر آمد کرنے سے عاجز ہوگئیں اور رفتہ رفتہ یہ بات ذہن نشین ہوگئی کہ اس مذہب کی وصیتوں کی پیروی اور اُسکے احکام کی تعمیل کرنا سراسر محال اور بالکل ناممکن ہے۔ آخرکار اُسکے پیرو شان و شوکت حاصل کرنے اور مال و دولت جمع کرنے پر جھک پڑے اور اُنکی بڑی جماعت تاویل کا حیلہ کرکے مذہب کی معمولی شاہراہ سے بہت دور جا پڑی۔ اور بہت سی لغویات اور خرافات کو مذہبی لباس پہناکر مذہب میں داخل کرلیا، طہارت اور پاکیزگی کو فراموش کرڈالا۔ یہ حالت تھی اُنکے اخلاق اور اعمال کے لحاظ سے۔ اور عقائد کے اعتبار سے بھی اُنکے مختلف گروہ اور فرقے قایم ہوگئے طرح طرح کی بدعتیں ایجاد کرکے اُسکے مسلّما صول اور ضروری ارکان کو بدل ڈالا اور سب سے بڑا رکن اسبات کو قرار دیا کہ مذہبی اصول اور مذہبی عقائد میں غور و فکر کرنا اور اُنکے اسرار اور باریکیونکو سمجھنا عقل کی طاقت سے بالاتر ہے۔ بلکہ مصنوعات اور مخلوقات کے رموز میں خوض کرنا بھی عقل کا کام نہیں۔ اُنہوں نے صراحت کے ساتھ بیان کردیا کہ علم اور مذہب میں ایسی سخت دشمنی اور عداوت ہے کہ کسیطرح باہم اتحاد اور اتفاق نہیں ہوسکتا۔ ان خیالات کے ماننے والوں نے صرف اسبات پر اکتفا نہیں کی کہ وہ خود اُنکو تسلیم کریں بلکہ اُنہوں نے عام لوگونکو ان عقاید کے تسلیم کرنے پر مجبور کیا اور اپنی ہر قسم کی قوتیں اس کام میں صرف کیں جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ مذہبی گروہوں میں ایسے جھگڑے اور فساد برپا ہوگئے جو نوع انسان کے لئے نہایت منحوس اور برباد کرنیوالے تھے۔ مخالفت اور عداوت کی آگ بھڑک اُٹھی، محبت اور الفت کے تعلقات بالکل قطع ہوگئے۔ غرضکہ مذہبی گروہونکے باہم لڑنے جھگڑنے اور ایک دوسرے کے الزام دینے میں یہی حالت تھی

کہ اسلام کی روشنی نے دنیا میں طلوع کیا۔

اسوقت اجتماع انسانی یا تمدن کی عمر کسیقدر زیادہ ہوگئی تھی اور اسکے جوڑ بند زیادہ مضبوط اور مستحکم ہوگئے تھے اور گذشتہ حادثات اور واقعات کے تجربوں نے انسان کو رہنمائی کرکے صراط مستقیم کے لئے آمادہ اور تیار کردیا تھا پس مذہب اسلام نے آکر عقل و فہم کو خطاب کیا اور انسان کے لئے دینی اور دنیوی بہتری اور بہبودی حاصل کرنے میں اُن کو احساس اور خیالات کا شریک بنایا۔ جن مسائل میں باہمی مخالفت اور مخاصمت ہورہی تھی اُنکو سلجھایا اور صحت کے ساتھ بیان کیا۔ اور اس بات پر بہت سے دلائل اور براہین قایم کئے کہ مذہب حق تمام نسلوں اور تمام صدیوں میں ایکسی رہا ہے اور خدا کی مشیت لوگوں کے حالات کے درست کرنے اور آنکے دلونکے پاک وصاف کرنے میں ہمیشہ یکساں رہی ہے اُسنے صاف طور پر بتادیا کہ اعضاے جسمانی پر ظاہری عبادات کی تکالیف صرف اسلئے فرض کی گئی ہیں کہ قواے روحانی میں خدا کی یاد اور اُسکے ذکر و فکر کی ہمیشہ اور ہر وقت تجدید ہوتی رہے اور یہ کہ خدا تعالی تمہاری صورتوں اور شکلوں کی طرف نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں اور تمہاری نیتونکو دیکھتا ہے۔ اُسنے ہر ایک مکلف پر جسمانی اور روحانی لطافت اور ظاہری و باطنی پاکیزگی کو واجب کیا، اور اخلاص کو عبادت کی روح قرار دیا۔ چونکہ اُسنے نیک اخلاق و عادات اور اعلیٰ درجہ کی صفات کے ساتھ متصف ہونا واجب اور لازم کیا ہے اسلئے اُن کے مناسب ظاہری اعمال و عبادات فرض کئے ہیں جو عمدہ اخلاق اور پاکیزہ صفات حاصل ہونیکا ذریعہ ہیں۔ خدا فرماتا ہے کہ "کچھ شک نہیں کہ نماز بیحیائی کے کاموں اور ناشائستہ حرکتوں سے روکتی ہے۔ بیشک آدمی بڑا ہی تھڑدلا پیدا کیا گیا ہے جب اُسکو کسی طرحکا نقصان پہنچے تو گھبرا اٹھتا ہے اور جب کسی طرحکا فائدہ پہنچے تو بخل کرنے لگتا ہے مگر اُن لوگونکا ایسا حال نہیں"

"ان الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر" ان الانسان خلق هلوعا اذا مسہ الشر جزوعا و اذا مسہ الخیر منوعا الا المصلین

ہے جو نماز گذار ہیں اور اپنی نماز کو ناغہ نہیں ہونے دیتے" ھم علی صلاتھم دائمون -"

اسلام نے شکر گذار دولتمند ونکو درجات اخروی کے لحاظ سے صبر کرنیوالے فقیروں کی برابر بہرا یا تھے بلکہ اکثر اوقات اُنپر ترجیح دی ہے - اور اپنے وعظوں اور نصیحتوں میں انسان کے ساتھ اس طرح کوئی ہدایت کرنیوالا سمجھدار اور عقلمند آدمی کے مانند کرتا ہے - اُسکو تمام ظاہری اور باطنی قوتونکے استعمال کرنیکی تاکید کی ہے اور صاف طور پر بیان کیا ہے (جس میں تاویل کی گنجایش نہیں) کہ یہی خدا کی نعمتونکی شکر گذاری اور اسی میں اُس کی رضامندی ہے ، دنیا آخرت کی کہیتی ہے - دنیا کی بہبودی اور بہتری میں کوشش کرنے کے بغیر آیندہ زندگی کی بہلائی کسی طرح حاصل نہیں ہوسکتی -

اسلام نے اہل عناد کی طرف التفات کرکے اُنسے کہا کہ اگر تم سچے ہو تو اپنی دلیل بیان کرو - نزاع اور جہگڑا کرنیوالے جنہوں نے یقین کے اصول کو سست اور کمزور کردیا تہا ، اُنکو ملامت کی اور صراحت کے ساتھ بیان کیا کہ متفرق ہونا اور مختلف فرقے قایم کرنا بالکل بغاوت اور سراسر بے دینی اور الحاد ہے - مذہب اسلام نے اتحاد و اتفاق قایم کرنے کے لئے صرف وعظ و نصیحت ہی پر اکتفا نہیں کی ، بلکہ شریعت میں عملی طور پر اُسکو مقرر کیا - اُسنے ہر ایک مسلمان کو اجازت دی کہ وہ اہل کتاب کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے ، اُسکے ساتھ کہانے پینے میں شریک ہوسکتا ہے - اسنے حکم دیا کہ اگر تم اہل کتاب سے مناظرہ یا مباحثہ کرو تو نہایت تہذیب اور شایستگی سے کرو - مذہب اسلام مسلمانونکو تاکید کرتا ہے کہ اُن غیر مذہب والونکی جو اُنکی پناہ میں داخل ہوں ایسی ہی حمایت اور حفاظت کریں جیسے کہ وہ اپنی کرسکتے ہیں - اُنکے حقوق اور فرائض بالکل مسلمانونکے مساوی ہیں اور ان تمام رعایتونکے بدلے میں اُنپر صرف ایک خفیف سی رقم عائد کی جسکو وہ اپنے مال میں سے ادا کرتے رہیں - اسکے بعد کسی مسلمان کو حق نہیں کہ وہ کسی ذمی کو مسلمان ہونیکے لئے مجبور کرے - قرآن مجید میں مسلمانونکے دلونکو اسی طرح تسلی دی گئی ہے "یعنی اے مسلمانوں !! تم اپنی خبر رکھو جب تم راہ راست پر ہو تو کوئی بہی

"یا ایھا الذین امنوا علیکم انفسکم لایضرکم من ضل اذا اھتدیتم" گمراہ ہوا کرے اُسکا گمراہ ہونا تمکو کچھ نقصان نہیں پہونچا سکتا"

پس مسلمانوں کو صرف اسقدر اجازت ہے کہ نہایت تہذیب اور شائستگی کے ساتھ اُنکو بھلائی کی طرف دعوت کریں، مگر اس بات کا اُنکو بالکل حق نہیں کہ وہ اسلام کی طرف دعوت کرنیں کسی قسم کی قوت کا استعمال کریں، کیونکہ خود اسلام کے نور میں یہ قابلیت ہے کہ وہ غفلت کے پردوں کو پھاڑ کر دلوں میں سرایت کر جاے۔

مذہب اسلام نے اُس قومی اور ملکی اور خاندانی امتیاز کو باطل کیا جو انسانی نسلوں میں پیدا ہو گیا تھا۔ آسنے قرار دیا کہ تمام انسان خواہ وہ کسی ملک کے رہنے والے کسی قوم یا خاندان کے ہوں مساوی طور پر خدا ے وحدہ لاشریک کے بندے اور اُس کی مخلوق ہیں تمام اشخاص بلا خصوصیت ایک ہی نوع انسانی کی افراد ہیں۔ جنس فصل اور خاصہ کے لحاظ سے اُن میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ہر ایک فرد میں یہ استعداد اور قابلیت ودیعت کی گئی ہے کہ وہ ان کمالات کے اعلیٰ درجہ پر پہونچ جاسکے جو نوع انسان کے لئے مخصوص ہیں یہ ان باطل اوہام کی تردید ہے جو بعض مدعی اپنی ذات یا اپنی قوم میں ایسی فضیلتیں اور خصوصیتیں خیال کرتے تھے جنسے دوسرے اشخاص یا دوسری قومیں محروم ہیں۔ اسکے اس جھوٹے خیال نے بڑی بڑی قوموں کی عقلی اور دماغی قوتوں کو فنا کرکے اُنکو پستی اور تنزل کے انتہائی درجہ پر پہونچا دیا تھا۔

مذہب اسلام کی عبادتیں جیسی کہ قرآن مجید اور صحیح حدیثوں میں مذکور ہیں ایسے اعمال اور اقوال ہیں جو خدا کی عزت و جلال اور اسکی عظمت اور بزرگی کے لئے شایاں اور اسکی تنزیہہ اور تقدیس کے لئے سزاوار ہیں۔ پس رکوع و سجود، حرکت اور سکون، دعا اور تضرع تسبیح اور تکبیر، جو نماز کے ارکان ہیں خدا کی عظمت اور جبروت کے تصور سے جو تمام انسانی قوتوں سے بالاتر ہے اور اُنپر محیط ہے، صادر ہوتے ہیں اور دلوں میں اُس ذات پاک کے

سامنے خشوع اور خضوع، انکسار اور فروتنی کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ ان ارکان میں کوئی
چیز ایسی نہیں ہے جو عقل سے خارج ہو۔ حتی کہ رکعتوں کی تعداد مقرر کرنا اور کنکریاں پھینکنا
بھی ایسی باتیں ہیں جن میں خدا کی حکمت کا تسلیم کرنا کچھ دشوار نہیں۔ اور انکا بظاہر عبث اور
بیکار ہونا اُن اصول میں رخنہ انداز نہیں ہو سکتا جو خدا نے عقل کے واسطے غور و فکر کرنیکو
سنئے قرار دیے ہیں۔ روزہ ایک عبادت ہے جس سے دلوں میں خدا کے حکم کی عظمت زیادہ
ہوتی ہے اور اسکے احسانات اور اسکی نعمتوں کی قدر معلوم ہوتی ہے، جس سے دلوں میں
اُس کی فرمانبرداری اور شکرگذاری کی تحریک پیدا ہوتی ہے خدا فرماتا ہے کہ "اے مسلمانو

"یاایھا الذین آمنو کتب
علیکم الصیام کما کتب علی
الذین من قبلکم لعلکم تتقون"

جسطرح تم سے پہلے لوگوں پر روزہ رکھنا فرض تھا
اسیطرح تم پر بھی فرض کیا گیا تاکہ تم بہت سے
گناہوں سے بچو"

حج کے ارکان سے یہ غرض ہے کہ جو چیز انسان کی ضروریات میں سب سے زیادہ مقدم
ہے اُس کی یاد دلائی جاوے۔ اور کم از کم تمام عمر میں ایک دفعہ افراد انسانی کی مساوات
کو آنکھوں سے دکھلایا جاوے جہاں قومی اور ملکی امتیاز اور عارضی خصوصیتیں بالکل الگ
تھلگ رہیں اور تمام مسلمان امیر غریب، ادنیٰ اعلیٰ، اپنی مصنوعی آرایش سے مجرد ہو کر ایک
حالت ایک ہیئت اور ایک لباس میں ظاہر ہوں اور ایک ساتھ طواف اور سعی وغیرہ ارکان
حج ادا کریں۔ حجر اسود کو بوسہ دیں۔ حجر اسود حضرت ابراہیم خلیل اللہ یادگار ہے جو ہماری
مذہب کا باپ تھا اور جس نے ہمارا نام مسلمان رکھا ہے۔ مگر ہر وقت اس امر کا بھی دھیان
رکھیں کہ ان قدیم یادگاروں اور پرانے تبرکات میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو کسی کو نفع
نقصان پہنچانیوالی ہو۔ اور ہر ایک رکن کے ادا کرنیکی حالت میں اپنے اس پاکیزہ اور موحدانہ
خیال کا اظہار ان لفظوں میں کرتے ہیں " اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ
اکبر واللہ اکبر و للہ الحمد دوسری قوموں کی عبادتوں میں یہ باتیں کہاں ہیں بلکہ انکے

اکثر طریقے عقل سے خارج اور فہم سے بالاتر ہیں۔

حوادث عالم ہے جو اوہام انسانی عقول پر طاری ہو رہے تھے اسلام نے اُنکو رفع کیا اور قرار دیا کہ دنیا میں جو حادثات اور واقعات ظاہر ہوتے ہیں وہ اُن قوانین قدرت کے موافق ہوتے ہیں جو اسکے علم ازلی میں مقرر ہو چکے ہیں اور جنمیں کسی طرحکا تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ مگر یہی مناسب نہیں کہ انسان خدا سے غافل ہو جائے اور اسکو بھول جائے بلکہ جب کوئی حادثہ یا واقعہ دیکھے تو خدا کو یاد کرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ" چاند اور سورج دونوں خدا کی نشانیوں میں سے ہیں کسی کے مرنے اور جینے سے ان میں کسوف و خسوف واقع نہیں ہوتا پس اگر تم ایسا دیکھو تو خدا کو یاد کرو"

"ان الشمس والقمر ایتان من آیات اللہ لا ینخسفان لموت احد ولا لحیاتہ فاذا رأیتم ذالک فاذکروا اللہ۔"

اس حدیث میں صاف طور پر اسباب کی تصریح کی گئی ہے کہ حوادث عالم کسی کے مرنے یا جینے یا اور خارجی اسباب سے واقع نہیں ہوتے۔ بلکہ وہ قانون قدرت اور خدا کی مرضی کے موافق واقع ہوتے ہیں۔ اسکے بعد اسلام نے انسان کی اُن دونوں حالتوں کو بیان کیا ہے جو خوشحالی اور فارغ البالی یا مصیبت اور تکلیف میں ہوتی ہیں اور ان دونوں حالتونکو اسطرح جدا کر دیا ہے کہ اُن میں خلط ملط ہونیکی گنجایش نہیں رہی۔ جو نعمتیں خدا تعالیٰ اپنے بعض بندونکو اس دنیوی زندگی میں عطا کرتا ہے یا جو مصیبتیں اُنپر نازل فرماتا ہے، وہ بیشمار ہیں۔ منجملہ اُنکے مال و دولت، جاہ و ثروت، قوت و شوکت، آل اور اولاد، فقر و فاقہ، ذلت و افلاس، وغیرہ وغیرہ ہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ان نعمتونکے عطا ہونے یا مصیبتونکے نازل ہونیکا سبب انسان کی ذاتی خصلت جیسی نیک چلنی یا گمراہی، فرمانبرداری یا نافرمانی، نہیں ہوتی۔ مثلاً کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک عرصہ تک خدا تعالیٰ نافرمان سرکشوں، فاسقوں اور بدکارونکی باگ ڈھیلی کر دیتا ہے اور اُنکو بیشمار دنیوی نعمتیں عطا کرتا ہے اور اس عذاب تک جو آیندہ زندگی میں

انکے لئے مہیا کیا ہے اُنکو مہلت دیتا ہے - اسی طرح خدا اپنے بعض نیک بندوں کا امتحان اور اُنکی آزمایش کرتا ہے - جو نیک بندے خدا کی آزمایشوں پر صبر و شکر کرتے ہیں اُنکی ثنا و صفت قرآن مجید میں اسطرح کی گئی ہے کہ " یہ لوگ جب انپر کوئی مصیبت آپڑتی

" الذین اذا اصابتھم مصیبة قال انا للہ وانا الیہ راجعون "

ہے تو بول اُٹھتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کے لئے ہیں جس حال میں رکھے اور ہم اُسی کی طرف لوٹ کر جانیوالے ہیں " پس اس قسم کی نعمتوں یا مصیبتوں میں کسی کی رضامندی یا ناراضی ، نیک چلنی یا بدکرداری کو کچھ دخل نہیں ہوتا - ہاں صرف اُن نعمتوں اور مصیبتوں میں دخل ہوتا ہے جنکے ساتھ اعمال کو سببیت کا تعلق ہوتا ہے - جیسے فقر اور فضول خرچی ذلت اور نامردی سلطنت کی تباہی اور ظلم میں تعلق ہوتا ہے - یا جیسے غالباً ثروت کو حسن تدبیر اور عزت کو خودداری کے ساتھ تعلق ہے -

اسوقت جو کچھ ہمنے بیان کیا ہے وہ اشخاص کی حالت ہے لیکن قوموں کی حالت ایسی نہیں سمجھنا چاہئے - کیونکہ قوموں کی زندگی اور اُنکی دنیوی سعادت اور بہبودی کا سبب صرف وہ روح ہے جس میں خدا نے غور و فکر کی صحت کرنے ، جذبات کو دبانے ، خواہشات کو روکنے ، ہر ایک کام و مقصد کے لئے اُسکی مناسب تدبیر کرنے ، باہمی محبت اور اخوت قایم رکھنے ، امانت داری اور عام خیر خواہی پر ثابت قدم رہنے کی طاقت ودیعت کی ہے - کسی قوم میں جبتک یہ روح باقی رہتی ہے اُسوقت تک اسکی نعمت زائل نہیں ہوتی - ہاں جسقدر یہ روح قوی ہوتی جاتی ہے اُسیقدر نعمتیں بڑھتی جاتی ہیں اور جسقدر یہ روح سست اور کمزور ہوتی جاتی ہے اسیقدر خدا کی نعمتیں گھٹتی جاتی ہیں - حتی کہ جس منحوس وقت میں یہ روح قوم سے جدا ہوتی ہے تو مروت و ثروت ، شان شوکت آرام راحت ، غرض نعمت تمام چیزیں اُسکے ساتھ ہی رخصت ہو جاتی ہیں اور سوائے ذلت و خواری ، افلاس و ناداری بدبختی اور ناہنجاری ، کے کوئی چیز باقی نہیں رہتی اور کوئی ظالم یا عادل قوم اُسپر مسلط ہو جاتی ہے

خدا فرماتا ہے کہ" جب ہمکو کسی گانوں کا ہلاک کرنا منظور ہوتا ہے تو اُسکے خوش حال لوگونکو

" واذا اردنا ان نھلك قریۃ امرنا مترفیھا ففسقوا فیھا فحق علیھا القول فدمرنٰھا تدمیرا۔" | ایک حکم دیتے ہیں پھر وہ اس میں نافرمانیاں کرنے لگتے ہیں جس سے وہ بستی عذاب کی مستحق ہوجاتی ہے پھر ہم اس بستی کو مار کر تباہ اور برباد کردیتے ہیں "

اسکا مطلب یہ ہے کہ ہم انکو نیک اور اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں مگر وہ انکو چھوڑکر بدکاریوں اور ناہنجاریوں کی طرف جھک پڑتے ہیں اور اپنی بداعمالیوں کے سبب سے ہلاک اور برباد ہوتے ہیں پھر نہ انکو رونے اور چلانے سے کچھ نفع پہونچتا ہے اور نہ اسکے اعمال اور کاموں کی صورتیں جو باقی رہجاتی ہیں انکو فائدہ دیتی ہیں اور نہ انکی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ غرضکہ انکی حالت ایسی ہوجاتی ہے کہ کوئی چیز انکی اس مصیبت کو دفع نہیں کرسکتی مگر یہ کہ وہ اُسی روح کی طرف التجا کریں اور صبر و شکر و ذکر و فکر کے قاصد بھیجکر اسکو بلائیں

" ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم۔ سنۃ اللہ فی الذین خلوا من قبل ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا۔" | خدا فرماتا ہے کہ " خدا کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت کو نہ بدلے۔ جو لوگ پہلے گذرے ہیں اُن میں بھی خدا کا یہی دستور رہا ہے اور تم خدا کے دستور میں ہرگز کسی طرح کا تغیر و تبدل نہ پاؤگے "

قرآن شریف میں علم کے سیکھنے اور سکھانے اور عام لوگونکو رہنمائی کرنے، اچھے کاموں کا حکم دینے، بری باتوں سے روکنے، کی ترغیب دی گئی ہے۔ لکھا ہے کہ " ایسا

" فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین ولینذروا" | کیوں نہیں کیا کہ مسلمانوں کی ہر ایک جماعت میں سے کچھ لوگ اپنے گھروں سے نکلے ہوتے کہ دین کی سمجھ بوجھ پیدا کرتے اور جب سب کہیں

قومھم اذا رجعوا الیھم لعلھم یحذرون ،، ولتکن منکم امۃ ندعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر و اولئک ھم المفلحون ،، و لاتکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا من بعد ماجاء ھم البینات واولئک لھم عذاب عظیم ۔ یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ فاما الذین اسودت وجوھھم اکفرتم بعد ایمانکم فذوقوا العذاب بما کنتم تکفرون ۔ واما الذین ابیضت وجوھھم ففی رحمۃ اللہ ھم فیھا خالدون ۔ تلک آیات اللہ نتلوھا علیک بالحق وما اللہ یرید ظلما للعالمین ۔ وللہ ما فی السموات وما فی الارض والی اللہ ترجع الامور ،، ۔

قوم میں واپس جائے تو اسکو خدا کی نافرمانی سے ڈراتے ۔ تاکہ وہ لوگ بھی بُرے کاموں سے بچیں" اسکے بعد دوسری آیت میں بھی یہی حکم دیا گیا ہے یعنی " تم میں ایک ایسا گروہ بھی ہونا چاہئے جو لوگونکو بھلائی کی طرف بلائیں اچھے کام کرنیکو کہیں بُرے کاموں سے منع کریں اور آخرت میں ایسے ہی لوگ اپنی مراد کو پہونچینگے ۔ اور ایسے نہ بنو جو ایک دوسرے سے بچھڑ گئے اور صاف صاف احکام آئے پیچھے آپس میں اختلاف کرنے لگے اور یہی ہیں جنکو آخرت میں بڑا عذاب ہوگا ۔ جس دن کہ بعض لوگونکے منہہ سفید ہونگے اور بعض کے سیاہ ۔ پس جن لوگونکے منہہ سیاہ ہونگے انسے کہا جائیگا کہ کیا تم ایمان لائے پیچھے کافر ہوگئے تھے تو اب اپنے کفر کی سزا میں عذاب کے مزے چکھو ۔ اور جن لوگونکے منہہ سفید ہونگے وہ اللہ کی رحمت یعنی بہشت میں ہونگے اور وہ ہمیشہ اُسی میں رہینگے ۔ اے پیغمبر!! یہ ہماری آیتیں ہیں جو ہم جبرئیل کی معرفت تم کو پڑھ پڑھکر سناتے ہیں اور اللہ دنیا جہاں کے لوگونپر کسیطرح کا ظلم کرنا نہیں چاہتا ۔ اور جو کچھہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھہ زمینوں میں ہے سب کچھہ اللہ ہی کا ہے

اور سب کاموں کی پہنچ آخر کار خدا ہی تک ہے" اس سخت وعید کے بعد ان لوگونکا حال بیان کیا ہے جو اچھے کامونکا حکم دینے والے اور بری باتوں سے روکنے والے ہیں فرمایا ہے

"کنتم خیر امة	"لوگونکی رہنمائی کے لئے جسقدر امتیں پیدا ہوئیں
اخرجت للناس تامرون	اُن میں تم (مسلمان) سب سے بہتر ہو کہ اچھے کام
بالمعروف وتنھون	کرنیکو کہتے ہو اور بُرے کاموں سے روکتے ہو اور
عن المنکر وتؤمنون باللہ"	اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو"

اس آیت میں اچھے کامونکے کہنے اور بُرے کاموں سے منع کرنیکو ایمان پر مقدم رکھا ہے حالانکہ ایمان ایسی چیز ہے جسپر تمام نیک کامونکا مدار ہے۔ یہاں اس کی تقدیم سے یہ غرض ہے کہ اس مقدس فرض کی قدر و منزلت ظاہر کیجائے اور جتلا دیا جائے کہ یہ فرض ایمان کا محافظ ہے۔ اسکے بعد قرآن مجید اُن لوگونکو ملامت کرتا ہے جو اس فرض سے غافل ہو گئے تھے۔ اور کہتا ہے کہ "بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کیا

لعن الذین کفروا من بنی	اُنپر داؤد اور مریم کے بیٹے عیسٰی کی بددعا سے
اسرائیل علی لسان داود	پھٹکار پڑی یہ پھٹکار اُنپر اس سے پڑی کہ نافرمانی
وعیسی ابن مریم ذالک بما	کرتے تھے اور حد سے بڑھتے جاتے تھے۔ جو
عصوا وکانوا یعتدون	کام ایکبار کر بیٹھے تھے اُس سے باز نہ آتے
کانوا لا یتناھون عن منکر	تھے البتہ بہت ہی بُرے فعل تھے جو وہ لوگ
فعلوہ لبئس ما کانوا یفعلون"	کیا کرتے تھے"

مذہب اسلام نے فقیروں کے لئے تونگروں اور دولتمندوں پر ایک خفیف سی رقم مقرر کی ہے جسکا ادا کرنا ہر ایک صاحب نصاب پر واجب کیا ہے۔ یہ رقم فقیروں اور محتاجوں کی دستگیری، قرضداروں کی رہائی، غلاموں کی آزادی اور مسافروں کی امداد میں صرف ہوتی ہے۔ اس فرض کے علاوہ خیرات اور صدقات کی بے انتہا ترغیب دی گئی ہے اور

اکثر جگہ اسکو ایمان کا عنوان اور ہدایت کی دلیل کہا گیا ہے۔ اس سے اہل فقر و فاقہ کے لوگوں کو حسد اور کینہ سے پاک صاف کر دیا جو انکو تونگروں اور دولتمندوں سے تھا اور بجائے عداوت کے انکی محبت دلوں میں پیدا کر دی۔ دولتمندوں کو غریبوں اور محتاجوں پر رحمت اور شفقت کی تعلیم دی۔ اس سے ہر ایک قسم کے اور ہر طبقہ کے لوگوں میں جمعیت اور اطمینان کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ امراض تمدن کے واسطے اس سے بہتر اور کیا دوا ہو سکتی ہے۔ یہ خدا کا فضل اور اسکی مہربانی ہے وہ جسکو چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔

مذہب اسلام نے شراب اور قمار بازی اور سود کو حرام کر کے شر اور فساد کی سرچشموں کو بند کر دیا جو عقل اور دولت کے لئے تباہی اور بربادی کا باعث تھے۔

دعوت اسلام

چونکہ اسوقت دنیا کی تمام قوموں کو بالعموم اصلاح اور ریفارم کی ضرورت تھی اسلئے حضرت خاتم النبیین کی رسالت کو بھی خدا نے کسی قوم یا کسی ملک کے لئے مخصوص نہیں کیا۔ بلکہ اُنکی رسالت کو تمام قوموں اور تمام ملکوں اور تمام موجودہ اور آیندہ نسلوں کے لئے عام کردیا لیکن اسباب کو دیکھکر تاریخ انسان پر غور کرنیوالوں کی عقلوں کو نہایت حیرانی اور پریشانی پیش آتی ہی کہ مذہب اسلام تیس برس سے کم عرصہ میں عرب کی تمام قوموں میں پھیل گیا اور ایک صدی سے کم میں محیط مغربی سے لیکر دیوار چین تک تمام ملکوں اور قوموں میں شائع ہوگیا۔ یہ ایک ایسی بات ہے جو مذاہب کی تاریخ میں نہیں ملسکتی۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر مورخوں نے اسباب کا سبب بیان کرنیمیں غلطی کی ہے۔

اس مذہب نے جب اپنی دعوت شروع کی تو اور مذاہب کی طرح اسکو بھی طرح طرح کی صعوبتیں اور مشکلات پیش آئیں، اسکی دعوت کرنیوالے کو بیشمار ایذائیں اور تکلیفیں پہنچائی گئیں اور ایسی دشواریاں پیش آئیں کہ اگر خدا کی عنایت شامل حال نہوتی تو اُنکا حل ہونا نہایت مشکل تھا جن لوگوں نے اس مذہب کی دعوت کو قبول کر لیا تھا اُنکو بھی طرح طرح کی تکلیفیں دی گئیں، وہ رزق سے محروم کیے گئے، وطن سے نکالے گئے، بہت سے لوگوں کے خون بہائے گئے۔ مگر یہ خون اولوالعزمیوں کے سرچشمے تھے جو صبر کی چٹانوں سے نکلے تھے اور جنکو دیکھکر اہل الیقین کے دلوں میں رعب طاری ہوتا تھا۔

تمام مختلف مذہبی گروہوں نے جو جزیرہ نما ے عرب اور اُسکے قرب وجوار میں رہتے تھے اسبات پر اتفاق کرلیا کہ مذہب اسلام کے کمزور پودے کو جس کی جڑیں ابھی مستحکم نہیں ہوئیں اُکھاڑ کر پھینکدیں، اور اسکی دعوت کو موقوف کر کے اسکا نام دنیا سے نیست ونابود

کردیں۔ مگر وہ باوجود اپنی کمزوری کے اپنی حیثیت اور استطاعت کے موافق مدافعت کرتا رہا
اور اُنکے سخت حملوں سے اپنی جان کو بچاتا رہا۔ نہ کوئی حمایت کرنیوالا تھا نہ کوئی مددگار، مگر چونکہ
وہ مذہب بالکل حق اور سراسر ہدایت تھا اسلئے وہ کامیاب ہوا اور عزت و قوت حاصل کی۔
اُسوقت مختلف مذہبی قوتوں نے جزیرہ عرب کو پامال کر رکھا تھا، وہ اپنے مذہب کی دعوت اور
اُسکی اشاعت کرتے تھے۔ ان فرقوں کے حاکم یا بادشاہ صاحب عزت اور صاحب شوکت
تھے اور مذہبی عقائد کے تسلیم کرنے پر لوگونکو مجبور کرتے تھے مگر تاہم اُنکی یہ جابرانہ کوششیں
بالکل ناکام رہیں اور اُنکو کسی قسم کی فلاح اور بہبودی نصیب نہوئی۔

مذہب اسلام نے عرب کے وحشیوں میں جو جھگڑنے اور لوٹ مار کے سوا کچھ نہ جانتے
تھے ایسا اتحاد و اتفاق پیدا کر دیا جس کی نظیر اُنکی گذشتہ تاریخ میں نہیں ملسکتی۔ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے اپنے خدا کے حکم کے موافق روم اور فارس کے بادشاہونکو جو ملک عرب کے
آس پاس تھے اپنے مذہب کی طرف دعوت کی اور ہدایت کی طرف بلایا مگر اُنہوں نے انکار
کیا بلکہ اس دعوت کی ہنسی اڑائی۔ اور جہانتک اُنسے ہوسکا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور
اُنکی جماعت کے ساتھ دشمنی اور عداوت کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ اُنکے لئے تمام راستے
خطرناک کر دیے اور تمام تجارتی منڈیوں میں اُنکی آمد و رفت بند کر دی۔ اسلئے اپنی حفاظت
اور تبلیغ دعوت کی غرض سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنکی طرف فوجیں روانہ کیں اور
یہی طریقہ آپ کے صحابیوں اور جانشینوں نے اختیار کیا ان لوگوں نے حق اور راستبازی
کو اپنے دونوں ہاتھوں میں اٹھا کر روم اور فارس پر حملہ کیا۔ باوجودیکہ مسلمان نہایت ضعیف
اور فقر و فاقہ کی حالت میں تھے اور اُنکے حریف قوت اور شوکت، دولت و ثروت، تعداد اور
سامان جنگ کے لحاظ سے ہزار درجے بڑھے ہوئے تھے مگر تاہم اُنکو وہ فتوحات اور کامیابیاں
حاصل ہوئیں جو تمام قوموں کی تاریخ میں مشہور و معروف ہیں۔ ان لڑائیوں میں مسلمانوں کا ہمیشہ یہ
اصول رہا ہے کہ جب لڑائی کا خاتمہ اُنکی فتح پر ہوتا تو مغلوبوں اور زیردستوں پر رحم کرتے اور رہنا

مہربانی اور نرمی سے اُنکے ساتھ پیش آتے اور اُنکو اجازت دیتے کہ وہ اپنے اپنے مذہب پر ثابت قدم رہیں اور اپنے مذہبی فرائض کو نہایت اطمینان کے ساتھ بلا روک ٹوک ادا کرتے رہیں۔ اُنکی جان و مال کی ایسی ہی حفاظت کرتے جیسی کہ وہ اپنی کر سکتے تھے اور اُس کے معاوضہ میں صرف ایک خفیف سی رقم اُنسے لیلی جاتی تھی۔ اسوقت مسلمانوں کے سوا اور بادشاہوں کا یہ دستور تھا کہ وہ جب کوئی ملک فتح کرتے تھے تو فتحمند لشکر کے پیچھے پیچھے مذہبی دعوت کرنیوالوں کا بھی ایک لشکر روانہ کرتے تھے جو لوگوں پر طرح طرح کے جبر و تشدد کر کے اپنے اُس مذہب کی طرف بلاتے تھے جس کی صحت کی دلیل قوت اور غلبہ کے سوا اُنکے پاس کچھ نہ ہوتی تھی۔ فتوحات اسلام کی تاریخ میں یہ بات کوئی نہیں بتلا سکتا کہ مذہبی دعوت کرنے کے لئے کسی مسلمان فاتح کے ساتھ کوئی خاص جماعت تھی جسکا کام صرف مذہب کی اشاعت اور اپنے عقائد کا پھیلانا ہوتا تھا۔ بلکہ اُن میں اسلام کی اشاعت کا صرف یہی طریقہ تھا کہ وہ دوسری قوموں سے ملتے اور اُنکے ساتھ نہایت صفائی اور سچائی اور ایمانداری کے ساتھ معاملہ کرتے تھے اور لوگ اُنکی راستبازی اور اخلاقی خوبیوں کے گرویدہ ہو جاتے تھے۔ تمام دنیا جانتی ہے کہ مغلوبوں اور زیر دستوں کے ساتھ سہولت اور نرمی سے معاملہ کرنیکی اسلام میں کسقدر فضیلت لکھی ہے حالانکہ یورپ کے لوگ اسکو نہایت لپست ہمتی اور بودا پن خیال کرتے ہیں۔ اسلام نے اُن تمام محصولوں اور ٹیکسوں کو اُٹھا دیا جو پہلے جابر بادشاہوں اور ظالم حاکموں نے رعایا پر لگا رکھے تھے۔ ناانصاف غاصبوں سے چھینکر حقداروں کو اُنکا حق دلایا واجبی حقوق کے مطالبہ میں مسلمان اور غیر مسلمان کو یکساں طور پر آزادی عطا کی۔ کچھ زمانہ کے بعد مسلمانوں میں یہ رواج ہو گیا تھا کہ جب کوئی اسلام میں داخل ہونا چاہے اُسکے لئے ضرور تھا کہ محکمہ شرعی میں قاضی کے پاس حاضر ہو کر اقرار کرے کہ وہ بلا اکراہ واجبار مسلمان ہوتا ہے۔ حتی کہ بعض خلفار بنی امیہ کے عہد حکومت میں یہانتک نوبت پہونچگئی تھی کہ سلطنت کے عمال لوگوں کے

اسلام میں داخل ہونیکو مکروہ سمجھنے لگے تھے۔ کیونکہ جسقدر زیادہ لوگ مسلمان ہوتے تھے اُسیقدر جزیہ کی رقم گھٹتی جاتی تھی۔ اسلئے یہ مسلمان عمال اسلام کے شیوع میں سدرہ تھے۔ ہر زمانہ میں مسلمان بادشاہوں اور خلیفوں نے اپنی سلطنت کے بڑے بڑے عہدے اور معزز منصب صرف مسلمانوں کے ہی لئے مخصوص نہیں کئے بلکہ اہل کتب وغیرہ دوسرے مذاہب کے قابل اور کارگذار اشخاص کو بھی مرحمت کئے، حتی کہ ان میں سے ایک شخص اُندلس کی اسلامی فوج کا کمانڈر انچیف ہوا ہے۔ غرضکہ اسلامی شہروں اور ملکونکی نسبت مذہبی آزادی کی اسقدر شہرت ہوگئی تھی کہ بیشمار یہودی یورپ کو چھوڑکر اُندلس وغیرہ اسلامی ملکوں میں چلے آئے۔

مسلمانوں نے جسقدر ملک اپنی تلوار سے فتح کئے اُنپر کسی قسم کی سختی اور درشتی نہیں کی بلکہ آسمانی کتاب اور خدا کی شریعت اُنکے سامنے پیش کردے اور اُنکو اختیار دیا کہ وہ اُسکو قبول کریں یا نہ کریں۔ نہ اُنکے سامنے مذہب کی منادی کی اور نہ اُس کی اشاعت میں کسی قسم کی قوت کا استعمال کیا۔ جزیہ کی رقم اسقدر خفیف لگائی جسکا ادا کرنا کسی شخص پر بھی دشوار اور ناگوار نہیں ہوسکتا۔ پس وہ کونسی بات تھی جسنے مختلف مذاہب والونکو اسلام کیطرف مائل کیا اور اُنکو یقین دلادیا کہ یہی مذہب حق اور خدا کی مرضی کے مطابق ہے اور اُنکے آبائی مذہب بالکل جھوٹے ہیں اور اُنکو چھوڑکر جوق جوق اسلام میں داخل ہونے لگے اور اُس کی خدمت میں ایسی کوششیں اور جانفشانیاں کیں جو خود عربوں نے بھی نہ کی تھیں۔

جزیرہ نماے عرب میں جسوقت اسلام کی روشنی نمودار ہوئی اسوقت وہاں شرک اور بت پرستی کی تاریکی چھائی ہوئی تھی اسلام نے اُسکو دور کیا اور اُنکو تمام بداخلاقیوں اور بداعمالیوں سے پاک صاف کرکے سیدھے رستہ پر لگادیا۔ اسلئے قدیم آسمانی کتابوں کو پڑھنے والوں اور ربانی شریعتونکے سمجھنے والونکو محقق طور پر ثابت ہوگیا کہ یہ خدا کا وعدہ ہے جو اُسنے اپنے پیغمبروں ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام سے کیا تھا اور یہ مذہب وہی مذہب ہے جس

کی نسبت انبیاے علیہم السلام نے اپنی قوموں کو بشارت دی تہی) اسلئے ان میں سے جو لوگ منصف مزاج اور تعصب اور ہٹ دہرمی سے پاک تہے اُنہوں نے دشمنی اور عناد کو ترک کر کے نہایت خوشی کے ساتھ اُسکو قبول کر لیا۔ اور اُنکا اور اُنکی قوم کا آبائی مذہب اور عقیدہ تہا اُسکو چہوڑ دیا۔ اس سے اُنکے مقلدوں کے دلوں میں اپنے عقائد کی نسبت شک پیدا ہوگیا جس سے اُنہوں نے مذہب اسلام کے عقائد میں غور کرنا شروع کیا۔ اُنکو معلوم ہوا کہ وہ سراسر خدا کی رحمت اور مہربانی اور اسکی نعمت ہے۔ اُسکے تمام عقیدے ایسے صاف اور سیدہے سادے ہیں کہ اُنکو عقل آسانی کے ساتہ قبول کر سکتی ہے۔ اُسکے اعمال اور احکام ایسے دشوار اور سخت نہیں جن کی برداشت کرنے سے انسانی طبیعتیں عاجز ہوں۔ اُنہوں نے دیکہا کہ اسلام عالم سفلی سے نکال کر عالم ملکوت کی طرف لیجاتا ہے اور باوجود اسکے وہ پاکیزہ چیزوںکے استعمال کی ممانعت نہیں کرتا۔ نہ ایسی عبادتیں فرض کرتا ہے جنکا بجالانا انسانی طبیعتوں پر شاق اور دشوار ہو۔ کہانے پینے اور کپڑا پہننے اور بدن کے اور حقوق ادا کرنے میں بہی وہ خدا کی رضامندی اور اُسکے ثواب کا وعدہ کرتا ہے بشرطیکہ نیت پاک اور سچی ہو۔ اگر ہوا و ہوس کے غلبہ سے کوئی نافرمانی یا گناہ ہو جاسے تو خدا کی مغفرت اسکو محو کر سکتی ہے۔ بشرطیکہ سچے دل سے توبہ کیجاے۔ جب اُنہوں نے قرآن کو پڑہا اور اُسکے ماننے والوںکی پاکیزہ سیرتونکو دیکہا تو اُنپر اس مذہب کی سادگی اور سچائی بالکل ظاہر ہوگئی اور اُنکو معلوم ہوگیا کہ اسکے عقاید اور مسائل ادنی تامل اور سرسری نظر سے سمجہ میں آسکتے ہیں۔ حالانکہ ہمارے موجودہ مذاہب کے رموز اور اسرار عقل سے خارج اور فہم سے بالا تر ہیں۔ یہی وجہ تہی کہ وہ اپنے ناقابل برداشت مذاہب کو چہوڑ چہوڑ کر فوراً اسلام میں داخل ہونے لگے۔ اسوقت بعض قومیں امتیاز کی مصیبت سے سخت نالاں تہیں جن سے بعض طبقوں یا خاندانوں کو بغیر کسی حق کے دوسرے طبقوں اور خاندانوں پر رفعت اور برتری حاصل ہوگئی تہی اور اُنکی خواہشات اور اغراض کے مقابلہ میں غریبوں

اور ادنی درجہ کے لوگوں کے حقوق پامال کئے جاتے تھے۔ مذہب اسلام نے اس امتیاز کو باطل کر کے جان و مال، عزت و آبرو، دین مذہب کے احترام کے لحاظ سے تمام طبقوں اور تمام خاندانوں اور تمام قوموں میں مساوات کر دی۔ غریبوں کے حقوق کی یہانتک حفاظت کی کہ ایک فقیر عورت نے جو مسلمان نہ تھی بڑی سے بڑی قیمت میں اپنا جھونپڑا فروخت کرنے سے انکار کیا جسکو ایک بڑے علاقہ کا مسلمان مطلق العنان حاکم مسجد میں شامل کرنے کے لئے خریدنا چاہتا تھا۔ اور جب اُس عورت نے خلیفہ کے دربار میں شکایت کی تو حاکم کو اس حرکت پر سخت ملامت کی گئی عدل و انصاف کے قوانین کو یہانتک مستحکم کیا کہ ایک یہودی کو اس بات کی جرأت ہوئی کہ امیر المومنین علی ابن طالب جیسے جلیل القدر شخص کے ساتھ مخاصمت کرے اور وہ دونوں فیصلہ کرنیوالے کے روبرو ایک حالت میں کھڑے کئے جاویں۔ اسلام کی یہی خوبیاں تھیں جنکو دیکھکر اُسکے دشمن بھی گرویدہ ہوگئے اور عداوت کو چھوڑکر اُسی کے حامی اور مددگار بنگئے۔

جس زمانہ میں مسلمانوں پر اسلامی روح غالب تھی وہ اپنے غیر مذہب والے ہمسایوں کے ساتھ نہایت شفقت اور مہربانی سے پیش آتے تھے۔ وہ کسی کے ساتھ عداوت اور مخالفت نہ کرتے تھے مگر جبکہ اُسکا آغاز ہمسایہ کی طرف سے ہو۔ اور جب مخالفت کے اسباب رفع ہوجاتے تو پھر وہ بدستور نرمی اور محبت کے ساتھ معاملہ کرتے تھے۔ اور باوجود اسکے کہ اسلام کی طرف سے مسلمانوں نے غفلت کی اور دانستہ و نادانستہ اُس کی بربادی میں کوشش کرنے لگے مگر تاہم اسکی ترقی اور کامیابی کی رفتار خاصکر چین اور افریقہ میں برابر جاری رہی اور کوئی زمانہ ایسا نہیں گذرا جس میں مختلف مذہبوں کی بڑی بڑی جماعتیں اپنے خیالات اور عقائد سے تائب ہوکر اسلام میں داخل نہوئی ہوں۔ نہ کوئی انکے سامنے مذہب اسلام کی دعوت کرنیوالا ہے اور نہ انکی گردن پر کوئی تلوار رکھنے والا۔ جب کہ یہ لوگ صرف اسکی خوبیاں دیکھکر مسلمان ہوتے ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ مذہب اسلام کا اس سرعت اور تیزی کے

ساتھ ترقی کرنا اور کامیاب ہونا صرف اسوجہ سے تھا کہ وہ آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے اور
اسکے احکام نہایت سہل ادر اُس کی شریعت عدل و انصاف کی بنیاد قایم کی گئی ہے۔
کیونکہ انسانی طبیعتیں صرف ایسے مذہب کی متلاشی ہیں جو اُنکی مصلحتوں کے مناسب
اُنکے قلوب اور جو اس سے زیادہ قریب اور دنیا و آخرت کی تسلی دینے والا ہو۔ جو مذہب
ایسا ہوگا وہ خود دلوں میں سرایت کر جائیگا اور عقلیں اسکو بہت جلد قبول کر لینگی۔ اُسکو
ایسی دعوت کرنیوالوں کی ضرورت نہوگی جو اُسکی اشاعت میں بےشمار دولت اور قیمتی وقت خرچ
کریں اور اُس کی ترقی کے وسائل بہم پہونچائیں اور لوگونکو پھانسنے کے لئے طرح طرح کے
جال پھیلائیں۔

ہمارے اس بیان کو جو لوگ نہیں سمجھتے یا سمجھنا نہیں چاہتے انکا قول ہے کہ دین اسلام
کی اشاعت اور ترقی جو دنیا میں اس سرعت اور تیزی کے ساتھ ہوئی وہ صرف تلوار کی بدولت
ہوئی۔ جب مسلمان فتوحات کے لئے اُٹھتے اُنکے ایک ہاتھ میں قرآن دوسرے میں تلوار
تھی وہ جس ملک کو فتح کرتے تھے قرآن اُنکے سامنے پیش کرتے تھے اگر وہ اُسکو قبول
نہ کرتے تو تلوار اُنکی زندگی کا خاتمہ کر دیتی تھی،، ہمارے نزدیک معترضونکا یہ قول بالکل بہتان
اور سراسر اتہام ہے کیونکہ مسلمانوں نے اپنی مفتوح قوموں کے ساتھ جسقدر فیاضانہ
اور آزادانہ برتاؤ کیا ہے جس کی تفصیل ہم اوپر بیان کر چکے ہیں وہ متواتر حدیثوں اور صحیح
روایتوں سے ثابت ہوتا ہے جن میں کسی قسم کے شک وشبہہ کی گنجایش نہیں۔
مسلمانوں نے ابتدا میں صرف مدافعت اور اپنی حفاظت کی غرض سے تلوار اٹھائی تاکہ دشمن
اُنپر ظلم و تعدی نہ کر سکیں۔ اور اُسکے بعد جہاں کہیں فوج کشی ہوئی وہ ملکی ضرورتوں اور
پولٹیکل مصلحتوں سے ہوئی یہ بالکل غلط ہے کہ مسلمانوں نے اپنے مذہب کو تلوار کے زور
سے پھیلایا ہاں یہ ضرور ہوا کہ مسلمان لوگ غیر ملک والوں کے ہمسایہ ہوئے اور بعض اوقات اُنکو
اپنے ملک میں پناہ دی اس ذریعہ سے اُنکو اسلام کے اصول اور عقاید کا علم حاصل ہوا اور

وہ اپنی رضا و آنحضرت کی بے سود کوشش و رضامندی کے ساتھ اسلام میں داخل ہوئے۔
اگر تلوار سے کسی مذہب کی اشاعت ممکن ہوتی تو وہ مذہب دنیا میں سب سے زیادہ کامیاب ہوتا جنھوں نے صدیوں تک دوسروں کی گردنوں پر تلوار رکھی اور انکو مجبور کیا کہ تلوار کا مذہب قبول کریں اور انکو دھمکایا کہ اگر وہ اس مذہب کو تسلیم نہ کرینگے تو بالکل تباہ و برباد اور سطح زمین سے بالکل مٹا دیئے جاینگے۔ یہ مذہبی اشاعت کو جابرانہ کام ظہور اسلام سے تین صدی پہلے شروع ہوا اور ظہور اسلام سے سات صدیوں بعد تک نہایت شدومد کے ساتھ برابر جاری رہا۔ ان کامل دس صدیوں میں تلوار نے مذہبی عقائد کی جسقدر اشاعت کی وہ ہرگز اس کی برابر نہیں پہونچتی جو اسلام نے ایک صدی سے کم عرصہ میں کرکے دکھلا دیا۔ اور یہاں صرف تلوار ہی پر اکتفا نہیں کی جاتی تھی بلکہ جسطرف تلوار ایک قدم بڑھتی تھی مذہبی دعوت کرنیوالے اسکے پیچھے پیچھے چلتے تھے اور اس کی حمایت کے بل پر جو چاہتے تھے کرتے تھے۔

مذہب اسلام کے ظہور اور اسکی ترقی میں خدا کی عجیب و غریب حکمت ہے۔ عرب کے چٹیل بیابانوں میں جو تمام دنیا کی نسبت تمدن اور شائستگی سے دور تھے، ایک ابدی حیات کا چشمہ نکلا اور بہکر تمام ملک میں پھیل گیا۔ اتحاد و اتفاق پیدا کرکے مذہبی اور قومی زندگی کی روح ان میں پھونکی۔ اسکا سیلاب اسقدر بلند ہوا کہ جو ممالک تہذیب اور تمدن، رفعت اور برتری کے لحاظ سے اہل آسمان پر فخر کرتے تھے انکو بھی غرق کردیا۔ اسکی نرم آواز نے نہایت سخت اور سنگین روحوں کو لرزا دیا اور انکی زندگی کے مخفی راز کو ظاہر کردیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ "اس کی اشاعت فی الجملہ سختی اور درشتی سے خالی نہ تھی"، میں کہتا ہوں کہ یہ ایک قدرتی بات ہے کہ ہمیشہ سے حق اور باطل میں جدال و قتال کا سلسلہ جاری ہے اور جبتک خدا کی مشیت اس کی نسبت کوئی فیصلہ نافذ نہ کرے برابر جاری رہیگا۔ جب کسی قحط زدہ زمین کے زندہ کرنے اور اس کی پیاس بجھاکر اسکو سرسبز و شاداب کرنے کے لئے خداوند تعالیٰ رحمت کا سیلاب بھیجتا ہے تو صرف اس بات سے اسکی قدر و منزلت نہیں گھٹ سکتی کہ اسکے ستہ

میں کوئی ٹیکری حائل ہوگی اور وہ اُسکے اوپر سے گذر گیا یا کوئی عالیشان اور مستحکم مکان اُسکی زد میں آگیا اور اُسکو ڈہا دیا۔

جن جن ملکوں میں مسلمان پہونچے وہاں اسلامی نور چمکا اور اسلام کی روشنی پہیلی اُسکا ذریعہ صرف یہی تہا کہ اُنہوں نے قرآن مجید کو سنا اور اُسکے معنی اور مطالب کو سمجہا مسلمان ایک عرصہ کے بعد اپنے مذہبی طریقہ سے منحرف ہوکر آپس کے لڑائی جہگڑوں اور باہمی خانہ جنگیوں میں مشغول ہوگئے اسلیئے اسلام کی ترقی میں سکون پیدا ہوگیا اور قریب تہا کہ وہ تنزل اور انحطاط کی طرف مائل ہو مگر خدا کو اُسکا سرسبز کرنا اور ترقی دینا منظور تہا اتفاقاً تاتاری فوجونکا سیلاب جسکا سپہ سالار چنگیز خاں تہا اسلامی ممالک کی طرف آیا اور جس بیدردی کے ساتہ اُنہوں نے مسلمانونکے ساتہ برتاؤ کیا اُسکی تفصیل قابل تحریر نہیں۔ یہ لوگ بت پرست تہے اور صرف قتل و غارت و لوٹ مار کے لیئے اسلامی ممالک میں آئے تہے مگر کچہ عرصے کے بعد اُنکی آیندہ نسلوں میں کچہ لوگ مسلمان ہوگئے اور اُنہوں نے اپنی قوموں میں اسلام کی اشاعت کی اور وہ اُن میں اپنی معمولی سرعت اور تیزی سے نہایت کامیابی کے ساتہ پہیل گیا۔

یورپ والوں نے مشرقی ممالک پر ایک سخت حملہ کیا اور وہ اُنکے تمام ملکوں میں شریک ہوگئے۔ اہل مشرق و مغرب کی یہ لڑائیاں دو سو سال سے زیادہ عرصہ تک جاری رہیں جن کی وجہ سے یورپ والوں میں مذہبی حمیت اور قومی غیرت پہلے سے زیادہ پیدا ہوگئی جہانتک ہوسکا اُنہوں نے فوجیں ترتیب دیکر اور سامان جنگ مہیا کرکے اپنی پوری قوت کے ساتہ اسلامی ممالک پر حملہ کیا چونکہ اُن میں مذہبی روح کا بقیہ موجود تہا اسلیے اکثر شہر اُنہوں نے فتح کر لیئے لیکن ان لڑائیونکا انجام اسپر ہوا کہ اہل یورپ کو اپنے مفتوحہ شہر چہوڑ کر اپنے ملک کی طرف واپس جانا پڑا۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے جسکا جواب دینا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اہل یورپ کیوں آئے تہے؟ اور کیا فائدہ اُٹہا کر اپنے ملک کو واپس گئے؟

مغربی ممالک کے مذہبی رئیسوں اور دینی پیشواؤں نے اپنی قوموں کو بڑا کار آمادہ کیا کہ مشرقی ممالک پر حملہ کرکے اُنکو پامال کردیں اور اُن ملکوں اور شہروں کو تسخیر کرکے اپنے قبضہ میں کرلیں جنکو وہ اپنے اعتقاد اور خیال کے موافق اپنا حق سمجھتے ہیں۔ چنانچہ اس مطلب کے لیئے یورپ کے بہت سے بادشاہ اور بیشمار امیر وزیر اور دولتمند لوگ اور اسنے نیچے رتبہ کے بیشمار اشخاص جنکا اندازہ کئی ملین تک کیا جاتا ہے مشرق پر چڑھ آئے اور یہ لوگ مایوس ہوکر اپنے ملک کو واپس گئے تو ان میں بہت سے اشخاص نے اپنے ذاتی اور تجارتی فوائد کے لحاظ سے اسلامی ممالک میں سکونت اختیار کرلی۔ اور مسلمانوں کے حالات اور خیالات کو دیکھا اُنکو معلوم ہوگیا کہ جن مبالغات اور تعصبات نے انکی عقلوں کو حیران اور پریشان کر رکھا ہے وہ بالکل اوہام ہیں جن کی حقیقت اور اصلیت کچھ بھی نہیں۔ اُنہوں نے دیکھا مذہبی آزادی کے ساتھ علوم و فنون صنعت و حرفت کی ترقی ہوسکتی ہے اور معلوم کیا کہ وسعت علم اور آزادی رائے ایمان کی دشمن نہیں بلکہ اُسکے وسائل اور اُسکے معاون ہیں۔ غرضکہ یورپ کے لوگ مسلمانوں کے ساتھ میل جول کرکے اور اس قسم کے آداب اور خیالات کا ایک قیمتی ذخیرہ جمع کرکے اپنے ملک کو واپس چلے گئے۔ اسیطرح وہ لوگ بھی جنہوں نے ممالک اُندلس میں سفر کیا اور وہاں کے علمأ و حکما اور ادبا سے ملکر علمی و اخلاقی فیض حاصل کیا، اپنے وطن کی طرف لوٹے تاکہ جو کچھ اُنہوں نے حاصل کیا ہے اُسکا ذائقہ اپنی قوم اور ملک والوں کو چکھائیں اس زمانہ سے یورپ کے عام خیالات میں بتدریج ترقی شروع ہوئی اور رفتہ رفتہ علم کی طرف عام رغبت زیادہ ہوتی گئی۔ اُلوالعزم اشخاص کی ہمتیں تقلید کی زنجیروں کے توڑ ڈالنے پر مستعد ہوگئیں۔ اور ارادہ کرلیا کہ مذہبی پیشواؤں کی بیجا حکومت کو جنہوں نے اپنے حقوق کو اعتدال سے بہت آگے بڑھا لیا ہے اور مذہب میں تحریف کرکے اُس کو بدل دیا ہے روک دیا جاوے۔ اسکے بعد تھوڑے ہی عرصہ میں ایک فرقہ اُٹھا جسنے مذہبی اصلاح کا دعویٰ کیا اور مذہب کو اپنی قدیم سادہ حالت کی طرف لانا چاہا۔ اس فرقہ نے

تغیر و تبدل کرکے اُسکو ایسا مذہب بنا دیا جو اسلام کے قریب قریب تھا بلکہ بعض فرقوں نے تو مذہبی عقائد میں یہانتک اصلاح کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے سوا باقی عقائد اسلام کے ساتھ بالکل متفق ہو گئے۔ غرضکہ اسوقت جو انکا مذہب ہے وہ صرف نام کے اعتبار سے مختلف ہے باقی طرز عبادت کے اختلاف کے سوا اور کوئی اختلاف نہیں۔

اسکے بعد یورپ والے اپنے اوہام کی قید وسے آزاد ہونے اور اپنے حالات کو درست کرنے لگے۔ حتی کہ اُنکے تمام دنیوی کاروبار اسلامی ہدایات کے موافق ٹھیک ہو گئے۔ اور موجودہ تمدن کے اصول مقرر ہوئے جو متاخر نسلوں کے لئے مایہ الافتخار اور مایۂ ناز ہیں۔ مگر اُنکو یہ خبر نہ تھی کہ یہ باتیں کس کی رہنمائی سے حاصل ہوئی ہیں۔ یہ ایک قطرہ ہے جو اسلام کے باران رحمت سے ایک قابل زمین پر پڑا اور اُسکو سرسبز و شاداب کردیا۔ یہ لوگ مسلمانونکو تباہ و برباد کرنے آئے تھے اور اسلئے اپنے ملک کو واپس گئے تاکہ اپنی قوم اور ملک کو فائدہ پہونچائیں۔ مذہبی پیشواؤں نے خیال کیا تھا کہ ان لوگونکے اُبھارنے اور بھڑکانے میں ہماری حکومت کو استحکام ہوگا مگر اُس میں اور ضعف پیدا ہو گیا۔ اسلام کی نسبت جو کچھ ہمنے بیان کیا ہے اُسکو وہ تمام اشخاص جانتے ہیں جنہوں نے اُسکے حالات میں غور کیا ہے حتی کہ یورپ کے اکثر منصف مزاج فاضلوں نے اقرار کیا ہے کہ "اسلام اُنکا سب سے بڑا اُستاد ہے اور اسوقت یورپ کو جو کچھ ترقی اور شائستگی حاصل ہے وہ سب اسلام کی بدولت ہے"۔

اعتراض اور اُسکا جواب

مذہب اسلام مختلف قوموں اور مختلف فرقوں کو اتحاد و اتفاق کی طرف دعوت کرتا ہے اور اختلاف و تفرقہ کو مٹاتا ہے، اسکی الہامی کتاب میں لکھا ہے "جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا اور کئی فرقے بنگئے تمکو اُنکے جھگڑوں سے کچھ سروکار نہیں"، پس کیا وجہ ہے کہ مختلف مذہبوں اور مشربوں کے لحاظ سے اُسکے بیشمار فرقے بنگئے۔ جب کہ اسلام بندہ کے منھ کو زمین و آسمان کے پیدا کرنیوالے خدائے وحدہ لاشریک کی طرف پھیرتا ہے، تو کیا وجہ ہے اس بات کی، کہ عام مسلمان اپنی گردنوںکو ایسی چیزوںکے آگے جھکاتے ہیں جو اپنی ذات کے لئے بھی برائی بھلائی نفع نقصان کے مالک نہیں اور اُسکو توحید کا ایک رکن خیال کرتے ہیں۔ اور جب کہ اسلام وہ پہلا دین ہے، جسنے عقل کو خطاب کیا اور کائنات میں غور کرنیکی طرف اسکو راغب کیا۔ اور اس خاص امر میں جہانتک اسکی طاقت ہے اُسکو بالکل آزاد اور مطلق العنان کردیا؛ اور ایمان کی حفاظت کے سوا اس بارہ میں اور کوئی شرط نہیں لگائی پس اس بات کی کیا وجہ ہے کہ اکثر مسلمان علم سے ناراض ہیں، اور خیال کرتے ہیں کہ خدا جہالت کو پسند کرتا ہے، اور خدا کی مخلوقات اور صنعت کی باریکیوں میں بالکل غور نہیں کرتے۔ اس سے پیشتر مسلمان لوگ الفت اور محبت کے امام و پیشوا تھے، مگر آج اس لفظ کا مصداق اُسکے خواب و خیال میں بھی نہیں۔ وہ سعی اور محنت کے پیشوا تھے، مگر آج سستی اور کاہلی میں ضرب المثل ہیں کیس قسم کے عقاید ہیں جنکو مسلمانوں نے اپنے مذہب میں شامل کر دیا ہے۔ حالانکہ الہامی کتاب اُنکے ہاتھ میں ہے جو مذہب کے اصلی اصول اور تراشی ہوئی بدعتوںکو بالکل الگ کردیتی ہیں جب کہ اسلام قرآن کے معنی اور مطالب کے غور کرنیکی ہدایت کرتا ہے، پس کیا وجہ ہے کہ اس بات کی، کہ اکثر قرآن کے پڑھنے والے مسلمان اُسکو راگ اور گلیبوں

کی طرح گاتے ہیں اور لفظوں کے سوا خاک نہیں سمجھتے حتی اکثر مذہب کے عالم بھی کماحقہ اور یقینی طور پر نہیں سمجھتے - جب کہ اسلام عقل اور ارادہ کو استقلال اور ازادی عطا کرتا ہے پس کیا وجہ ہے کہ مسلمان اُسکو طوق اور زنجیر میں جکڑے ہوئے ہیں - جب کہ اسلام نے عدل والصاف کی بنیاد ڈالی ہے، تو کیا سبب ہے کہ اکثر مسلمان حاکم ظلم وستم میں ضرب المثل ہیں - جبکہ اسلام غلاموں کے آزاد کرنیکی ہدایت کرتا ہے، تو کیا سبب ہے کہ اسلامی حاکموں اور بادشاہوں نے آزاد لوگوں کے غلام بنانے کا سلسلہ صدیوں تک برابر جاری رکھا - جبکہ راستبازی وفاداری اور وعدہ کا پورا کرنا اسلام کے ارکان میں سے گنے جاتے ہیں، تو کیا وجہ ہے کہ مسلمانوں میں دغابازی جھوٹ مکاری وبہتان کی کثرت ہے - جبکہ اسلام فریب بازی اور دہوکہ دینے کو حرام بتاتا، اور اُسکے ارتکاب کرنیوالوں کو اپنے زمرہ میں سے خارج کردینے کی وعید سناتا ہے، پس کیا وجہ ہے کہ مسلمان لوگ معمولے دہوکے بازیوں اور حیلہ سازیوں سے خدا اور رسول اور شریعت کے ساتھ دہوکہ کرتے ہیں - جبکہ اسلام نے ظاہری اور باطنی بدکاریوں کو حرام کیا ہے، تو کیا وجہ ہے کہ مسلمان ہر قسم کی بدکاریوں میں منہمک اور مستغرق ہیں - جبکہ اسلام نے صاف طور سے بتا دیا ہے کہ مذہب خدا اور رسول کی اطاعت اور فرمانبرداری اور عام مسلمانوں کی خیر خواہی کا نام ہے، اور اُن کو بتا دیا ہے کہ اگر وہ ایسا نہ کرینگے تو اُنپر اشرار کو مسلط کیا جاویگا - پس کیا وجہ ہے کہ وہ نہ آپس میں ایک دوسرے کی خیر خواہی کرتے اور نہ ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں، بلکہ وہ سب متفرق اور منتشر ہیں اور ہر شخص اپنی حالت میں گرفتار ہے دوسروں کی اُسکو کچھہ خبر نہیں - کیا سبب ہے کہ بیٹے بیدردی کے ساتھ اپنے باپوں کو قتل کرتے ہیں اور لڑکیاں اپنی ماؤں کی نافرمانی کرتی ہیں، نہ چھوٹے بڑوں کا ادب کرتے ہیں اور نہ بڑے چھوٹوں پر رحم اور شفقت کرتے ہیں - دولتمندوں کے مال میں فقیروں اور مسکینوں کا جو حق ہے اور جسکو خدا نے اُن پر فرض کیا ہے اُسکے ادا کرنے میں پہلو تہی کرتے ہیں، بلکہ جو کچھہ قوت لا یموت غریبوں کے پاس

ہوتا ہے اُسکو بھی چھیننے لگتے ہیں۔

ہمارا خیال ہے کہ اسلام کی پوری روشنی اور اُسکا منور آفتاب مشرق میں ہے مگر اُسکی ایک کرن مغرب (یورپ) میں پہونچی اور اُسکو روشن کردیا۔ حالانکہ تمام اہل مشرق جہالت کی تاریکیوں میں سرگرداں پھر رہے ہیں۔ ایسی حالت میں کسطرح عقل اس قول کو صحیح تسلیم کرسکتی ہے یا کوئی نقلی دلیل اسکی تائید کرسکتی ہے۔ غالباً تمکو معلوم ہوگا کہ جن لوگوں نے علم کا کچھ بھی ذائقہ چکھا ہے، سب سے پہلے اُنکے خیالات اس طرف مائل ہوئے ہیں، کہ اس مذہب (اسلام) کے اصول اور عقائد بالکل خرافات ہیں۔ اور اسکے مسائل اور احکام بالکل بیہودہ اور لغو ہیں۔ بلکہ نہایت جوش اور مزہ کے ساتھ اس مذہب کے اصول و عقائد پر طعن و استہزا کرتے ہیں، اور اُن لوگوں کے ساتھ مشابہت پیدا کرتے ہیں جو مذہب کے دائرے سے نکلکر بالکل آزاد ہوگئے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ جو لوگ اسلام کی صرف مذہبی کتابوں کی ورق گردانی میں مشغول ہیں، اور اپنے آپ کو اس مذہب کا بڑا عالم سمجھتے ہیں، وہ عقلی علوم اور نظری مسائل کو حقارت کی نظر سے دیکھتے، اور انپر عمل کرنا دینی و دنیوی لحاظ سے بالکل عبث خیال کرتے ہیں۔ بلکہ اکثر لوگ اپنے ان علوم سے جاہل رہنے پر فخر ظاہر کرتے ہیں۔ گر مسلمانوں میں سے جو شخص علم کے دروازے پر پہونچگیا ہے، اسکو اپنا مذہب بوسیدہ کپڑے کی مانند معلوم ہوتا ہے جسکو وہ لوگوں کے سامنے ظاہر کرتا ہوا شرماتا ہے۔ مگر جسکے دل میں مذہب کی کچھ وقعت ہے، اور اُسکے اصول و عقائد کو تسلیم کرتا، اور اُنکی پیروی کرتا ہے، وہ عقل کو جنون اور علم کو محض خیال سمجھتا ہے، کیا یہ اثبات کی دلیل نہیں ہے کہ مذہب علم اور عقل کے ساتھ متفق نہیں ہوسکتا۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ آجکل کیا بلکہ چند صدیوں سے مسلمانوں کی جیسی کچھ نازک حالت ہورہی ہے اُسکے بیان کرنیمیں معترض نے کسی قسم کا مبالغہ نہیں کیا۔ امام غزالی اور ابن الحاج وغیرہ نے جو مذہبی امور میں بصیرت رکھتے تھے، اپنے زمانہ کے عام و خاص

مسلمانوں کی کیفیت بیان کی ہے جس سے بیشمار ضخیم کتابیں بھری پڑی ہیں - لیکن جیسے
جو کچھ مذہب اسلام کی نسبت بیان کیا ہے - صرف قرآن مجید کے پڑھنے اور اسکے معانی
و مطالب سمجھنے سے اسکو ضرور تسلیم کرنا پڑتا ہے - اور جسقدر ہمنے اسکے عمدہ نتائج ذکر کئے
ہیں محققین اسلام اور دوسری قوموں کے بالانصاف مورخوں کی کتابیں دیکھنے سے اُن کا
اعتراف کرنا پڑتا ہے - اور فی الحقیقت یہی اسلام ہے ، اور اسی کی نسبت ہم پہلے کہہ چکے ہیں
کہ وہ بالکل عقل اور سراسر ہدایت ہے - جو شخص عمدگی کے ساتھہ اسکا استقبال کریگا - اور
اُسکے احکام کی تعمیل اور اُس کی ہدایتوں پر عمل کریگا ، وہ بالضرور دینی اور دنیوی
سعادت حاصل کریگا ، جیسا کہ خداوند تعالی نے وعدہ فرمایا ہے - امراض تمدن کے مبتلا ہیں
ایک عرصہ تک اُس دوا کا تجربہ ہوچکا ہے اور اُس کی کامیابی اسقدر صاحت کیساتھ ظاہر
ہوچکی ہے جسکا کوئی اندہا اور بہرا بہی انکار نہیں کرسکتا - زیادہ سے زیادہ اس اعتراض کے
جواب میں جو کہا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ ایک طبیب نے کسی مریض کو ایک دوا دی جس سے
وہ بالکل تندرست ہوگیا ، مگر طبیب اسی مرض میں مبتلا ہوگیا ، وہ بیماری کی تکلیف اٹھا رہا ،
اور باوجودیکہ وہی دوا اُس کے پاس موجود ہے مگر اسکو استعمال نہیں کرتا - جو لوگ اُسکی
عیادت کرتے ہیں یا اُسکی مصیبت پر خوش ہوتے ہیں ، وہ اس دوا کو استعمال کرتے ہیں
اور صحت پاتے ہیں مگر وہ اپنی زندگی سے مایوس ہوکر موت کا انتظار کررہا ہے -

تمت